مولانا

عظیم شخصیتیں

ایم ثناء اللہ خاں اینڈ سنز، ریلوے روڈ، لاہور

سنہ ۱۹۶۰ء

باراول : ۱۹۶۰ء

قیمت : دو روپے

کتابت : رحیم بخش

طابع : اشرف پریس لاہور

ناشر : ایم ثناءاللہ خاں اینڈ سنز - لاہور

فہرست

★

۵

حضرت ابراہیم علیہ السّلام

عزیز بچّو! حضرت ابراہیم عراق کے مشہور شہر بابل میں پیدا ہوئے اس دور میں نمرود وہاں کا بادشاہ تھا وہ دعویٰ کرتا تھا کہ میں خدا ہوں، اس کی تمام رعایا اُسے خدا تسلیم کرتی تھی، وہاں کوئی بھی خدا کا نام لینے والا نہ تھا، لہٰذا اللہ تعالےٰ نے اُن کی اصلاح کے لئے ایک نبی بھیجا یہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام تھے تاکہ وہ لوگوں کو ہدایت کریں اور سیدھا راستہ دکھائیں اور انھیں خدُا سے شناسا کریں۔ آپ کے دل میں خدا کی محبت بسی تھی وُہ خدُا کے ہر حکم کی خوشی خوشی تعمیل کرتے تھے۔

آپ نے اللہ کے حکم سے اپنی بی بی ہاجرہ اور اکلوتے دُودھ پیتے بچّے کو ایک بے آب و گیاہ جنگل میں چھوڑ دیا، جب حضرت اسماعیل جوان ہوگئے تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہُوا کہ انھیں

ہماری راہ میں قربان کرو آپ تعمیلِ حکم کے لئے تیار ہو گئے اسی لئے آپ کو خلیل اللہ یعنی اللہ کا دوست کہتے ہیں۔

ایک دن کا قصہ ہے کہ نمرود نے خواب میں دیکھا کہ ایک نیا ستارہ نکلا ہے جس کی روشنی آفتاب سے بھی بڑھ کر ہے صبح ہوتے اس نے نجومیوں کو جمع کیا اور ان سے تعبیر پوچھی، انھوں نے کہا اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد اس ملک میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کی شان و شکوہ کے آگے تیری عزت و عظمت ماند پڑ جائے گی پھر کیا تھا نمرود لال پیلا ہو گیا اور حکم دیا کہ اس سال جو بھی بچہ پیدا ہو اُسے فوراً قتل کر دیا جائے لہٰذا جو بھی بچہ پیدا ہوتا فوراً مار ڈالا جاتا سینکڑوں بچے مار ڈالے گئے مگر اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

آپ کی والدہ نمرود کے ڈر سے ایک غار میں جا چھپیں جہاں حضرت ابراہیم ؑ پیدا ہوئے، والدہ ماجدہ نے دودھ پلایا اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر آپ کو غار میں چھوڑ آئیں اُوپر سے پتھر ڈھک دیا، ہر روز اسی طرح کرتیں حتیٰ کہ سات سال گذر گئے۔

ایک رات آپ غار سے باہر نکلے تو آپ نے ایک چمکتا ہوا

تارے کو دیکھا، کہنے لگے یہ میرا خدا ہے جب صبح ہوئی تو وُہ ستارہ چھپ گیا۔ آپ نے کہا غروب ہو جانے والا خُدا نہیں ہو سکتا، رات ہوئی اور چاند طلوع ہُوا تو آپ نے کہا یہ میرا خدا ہے مگر صبح ہوتے وہ بھی غروب ہو گیا تو آپ نے کہا غروب ہو جانے والا میرا خُدا نہیں بن سکتا یہ سورج میرا خدا ہے شام ہوتے وُہ بھی غروب ہو گیا تو آپ نے کہا میرا خدا وُہ ہے جس نے چاند، سُورج اور تاروں کو پیدا کیا، اس وقت سے آپ کو خدا کے ایک ہونے کا یقین ہو گیا۔

آپ کے والد کا نام آذر تھا وہ بُت بنایا کرتے اور ان کو بیچنے کے لئے بازار بھیجا کرتے، آپ آواز لگاتے کوئی ہے جو ایسی چیز کو خریدے جو اُسے نہ نفع پہونچا سکتی ہے نہ نقصان، باپ کو پتہ چلا تو وُہ بہت غُصّے ہُوا بالآخر دونوں میں جھگڑا ہُوا، آپ نے بہت کوشش کی کہ باپ سیدھی راہ پر آجاتے لیکن وُہ کسی طرح نہ مانے، بعد ازاں آپ نے سر بازار توحید کا پرچار کر دیا، کچھ دنوں کے بعد عید کا موقعہ آیا اور بڑا بھاری میلہ لگا تو تمام لوگ شہر سے باہر چلے گئے، آپ مندر میں گئے اور بڑے بُت کے علاوہ تمام بتوں کو توڑ ڈالا پھر کلہاڑا بڑے

بُت کے کندھے میں ڈال دیا۔ ٦

جب لوگ میلے سے واپس آ جائے تو انھیں بڑا غصہ آیا کہنے لگے ابراہیم کے سوا کون یہ حرکت کر سکتا ہے، لوگوں نے آپ سے دریافت کیا تو آپ نے کہا یہ کام بڑے بُت نے کیا ہوگا کیونکہ کلہاڑا اُسی کے کندھے پر لٹکا ہُوا ہے، لوگوں نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ تو بالکل بے جان ہیں آپ نے کہا تو پھر تم لوگ اس کی پُوجا کیوں کرتے ہو؟

لوگ آپ کو پکڑ کر نمرُود کے پاس لے گئے نمرود نے کہا کہ اِس نوجوان کو آگ میں جلا دیا جائے چنانچہ آگ سلگائی گئی اور آپ کو آگ میں ڈال دیا گیا مگر خدا کے حکم سے وہ آگ گلزار ہو گئی آپ صحیح سالم آگ سے نکل آئے، آپ نے نمرُود سے کہا تو خدا پہ ایمان لے آ مگر وہ نہ مانا آپ نے بددعا کی اور مچھروں کا عذاب ان پر نازل ہُوا تمام فوجیں اور مویشی مر گئے ایک مچھر نمرُود کے دماغ میں بھی گھُس گیا۔ وہ چالیس دن تک تڑپنے کے بعد مر گیا۔

آپ کے دو بیٹے تھے ایک کا نام اسماعیل اور دوسرے کا اسحاق تھا۔ ایک دن آپ نے خواب دیکھا کہ اللہ تعالےٰ

فرماتے ہیں۔ میرے نام پر اپنے بیٹے اسماعیل کو قربان کر دے آپ نے سعادت مند بیٹے سے اس امر کا تذکرہ کیا وہ آمادہ ہو گئے مگر جب آپ نے بیٹے کے گلے پر چھری چلائی تو وہ نہ چلی، ندا آئی اے ابراہیم تم امتحان میں پورے اترے ہم ایک دُنبہ بھیجتے ہیں اسے ہماری راہ میں قربان کر دو چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام ایک دُنبہ لائے اور وہ ذبح کر دیا گیا۔

بقر عید اسی مبارک دن کی یادگار ہے پھر اللہ کے حکم سے دونوں باپ بیٹے نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی جس کی طرف تمام دُنیا کے مسلمان مُنہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور جہاں سب مسلمان حج کے لیے جاتے ہیں۔

بچّو! حضرت ابراہیم بہت مہمان نواز تھے جب تک کوئی مہمان نہ آجاتا آپ کھانا نہ کھاتے، آپ کی مہمان نوازی اور سخاوت تمام عالم میں مشہور ہے۔

آپ مرتے دم تک اسلام کی تبلیغ کرتے رہے مصر، شام و حجاز میں آپ نے توحید کی تبلیغ کی اور تبلیغ اسلام کے لیے دُور دُور کے سفر کئے اور بڑی تکلیفیں اُٹھائیں۔

حضرت اسماعیل مکّہ شریف میں رہنے لگے اور یہیں انھوں نے شادی کرلی اور وُہ بھی آخر دم تک اسلام کی تبلیغ کرتے رہے ۞

حضرت موسیٰ علیہ السّلام

مصر کا بادشاہ فرعون بنو اسرائیل پر بہت مظالم ڈھاتا تھا جب اُس کا ظلم و ستم حد سے گزر گیا تو اللہ تعالےٰ نے ان کی مدد کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو بھیجا، فرعون دعویٰ کرتا تھا کہ میں خدا ہوں اس کی خدائی کو سب ہی نے تسلیم کیا مگر بنو اسرائیل نے تسلیم نہ کیا۔ لہٰذا فرعون کو سخت غصّہ آیا اور انھیں طرح طرح سے ستانے لگا۔

ایک رات فرعون نے خواب دیکھا کہ ملک شام کی طرف سے ایک آگ اُٹھی اور وہ مصر کے قلعوں کو خاکستر کر گئی، فرعون نے نجومیوں سے تعبیر لی۔ انھوں نے کہا بنو اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہوگا جو تیری سلطنت کو برباد کر دے گا۔

فرعون نے حکم دیا کہ بنو اسرائیل میں جو بھی لڑکا پیدا ہو اُسے

قتل کر دیا جائے سینکڑوں بچے مار ڈالے گئے۔ مگر جسے خدا رکھے اُسے کون مارے۔ جب اُن کی پیدائش کا وقت آیا تو آپ کی والدہ چھپ گئیں اور آپ کو ایک صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں ڈال دیا یہ صندوق فرعون کے محل کے پاس جا لگا اُس کی بیوی نے اُسے نکلوا لیا۔ صندوق کھلوایا تو دیکھا چاند سا لڑکا لیٹا ہے۔ وُہ بولی میرے کوئی لڑکا نہیں ہے اسے میں اپنا بیٹا بناؤں گی۔ لہٰذا حضرت مُوسیٰؑ کی پرورش شاہی محل میں ہونے لگی جُوں جُوں جوان ہوتے گئے اپنی قوم کی محبّت بڑھتی گئی۔

ایک دن آپ نے دیکھا کہ ایک قبطی ایک اسرائیلی کو مار رہا ہے۔ آپ سے رہا نہ گیا۔ آپ نے قبطی کے زور سے ایک مکا مارا اور وُہ مر گیا۔ قصاص کے ڈر سے آپ وہاں سے بھاگ نکلے مدائن پہونچے وہاں آپ کی شادی حضرت شعیب علیہ السّلام کی لڑکی سے ہو گئی، جب ایک عرصہ کے بعد آپ وطن واپس گئے، حضرت شعیبؑ نے آپ کو ایک عصا مرحمت فرمایا جو ان کے پاس گذشتہ انبیاء کی یادگار تھا۔ ایک رات راستے میں سخت سردی لگی تو آپ آگ کی تلاش میں نکلے کچھ دُور روشنی دکھائی دی آپ ادھر گئے کہ وہاں آگ ہو گی مگر اس کے قریب پہونچے

تو آواز آئی اے موسیٰ! اپنے جوتے اُتار دو، یہاں ہمارا جلوہ ہے تم پاکیزہ مقام طویٰ میں ہو۔ ہم نے تمھیں پیغمبری عطا کی میں ایک خدا ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں ایک دن قیامت آنے والی ہے ہر شخص اُس دن اپنے کئے کا بدلہ پائے گا۔

پھر اللہ نے دریافت فرمایا موسیٰ تمھارے ہاتھ میں کیا ہے آپ نے عرض کی عصا ہے میں اس سے کام لیتا ہوں، حکم ہوا اسے زمین پر ڈال دو آپ نے اُسے زمین پر ڈال دیا تو وہ اژدہا بن گیا، آپ ڈرے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، موسیٰ ڈرنے کی کیا بات ہے اس کو پکڑ لو تو وُہ پھر عصا بن جائے گا۔ پھر اللہ نے حُکم دیا اپنا ہاتھ بغل میں لے جاؤ۔ آپ نے ہاتھ بغل کے اندر کیا تو وُہ سُورج سے بھی زیادہ چمکنے لگا اسے ید بیضا کا معجزہ کہتے ہیں یعنی سفید ہاتھ کا معجزہ۔

جب آپ مصر پہونچے تو فرعون کو سمجھانے لگے کہ خدائی کے دعوے سے باز آجائے مگر وہ نہ مانا بلکہ اور زیادہ بنو اسرائیل کو ستانے لگا۔ جب موسیٰ تنگ آگئے تو اپنی قوم کو لے کر راتوں رات وہاں سے نکل کھڑے ہوئے فرعون اور اُس کے لشکر نے تعاقب کیا وُہ سب ڈوب گئے اور موسیٰ اور ان کی قوم

سب کے سب پار اُتر گئے۔ آپ نے دریا پر عصا مارا تو اس نے راہ دے دی۔

پیارے بچو! غرور و تکبر بُری بات ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام وعظ فرما رہے تھے۔ کسی نے پوچھا، کیا دُنیا میں آپ سے بھی بڑا کوئی آدمی ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں، یہ بات اللہ تعالیٰ کو ناگوار معلوم ہوئی، فوراً وحی نازل ہوئی۔ میرا ایک بندہ تم سے بھی زیادہ عالم ہے۔ وہ دو دریاؤں کے سنگم پر رہتا ہے، جہاں مُردہ بھی زندہ ہو جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اُن سے ملے اور ساتھ رہنے کی خواہش کی۔ انھوں نے کہا تُم صبر نہ کر سکو گے۔ موسیٰؑ نے اصرار کیا اور ان کے ساتھ ہو لئے۔ مگر ہر بار موسیٰؑ نے اُن پر اعتراض کیا، انھوں نے ان کے ہر اعتراض کا جواب دیا اور کہا آپ کا اور ہمارا نباہ نہیں ہو سکتا۔ یہ بزرگ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کو توحید کی تبلیغ کی اور گئوسالہ پرستی سے انھیں روکا، بُری عادتیں ان سے چھڑائیں، بالآخر ان کی قوم نے خوب ترقی کی اور وہ صاحب سلطنت

ہو گئے۔ اللہ تعالےٰ نے آپ پر تورات نازل فرمائی اور آپ کے بھائی ہارون کو آپ کا مددگار بنایا۔

حضرت یوشع علیہ السّلام آپ کے شاگرد تھے انھوں نے آپ کی وفات کے بعد لوگوں کو نیکی کی تبلیغ کی اور صلاح و فلاح کی راہ دکھائی۔

16

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام

آپ حضرت مریم بنتِ عمران کے بیٹے تھے، آپ کی والدہ ماجدہ ہر وقت یادِ الٰہی میں مصروف رہتیں، ایک دن آپ کے پاس ایک فرشتہ آیا اور کہنے لگا خدا بن باپ کے تجھے فرزند عطا کرے گا وُہ نبی ہو گا اُسے تورات و انجیل کا علم عطا ہو گا اور بنو اسرائیل کو اس سے عروج ہو گا۔

آپ کی پیدائش کے وقت آپ کی والدہ شہر سے دور ایک گاؤں بیت اللحم میں چلی گئیں، آپ پیدا ہُوئے تو فرمایا میں نبی ہوں گا اور مجھ پر ایک کتاب نازل ہو گی۔ مجھے اللہ تعالےٰ نے نماز، زکوٰۃ اور ماں کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ لوگ یہ باتیں سُن کر حیران رہ گئے کہ ایک نو پیدا بچہ اس طرح باتیں کرتا ہے۔ لہٰذا آپ کو بیت المقدس میں لے آئے۔

یہاں کچھ آتش پرست آئے کہنے لگے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یہاں کوئی یہودیوں کا بادشاہ پیدا ہوا ہے، انھوں نے بچے کو دیکھنے کی خواہش کی، اور آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے جب یہ خبر یہودیوں کے بادشاہ کو پہونچی تو وہ بہت گھبرایا۔ اُس نے مجوسیوں سے کہا مجھے اُس بچے کا پتہ بتاؤ مگر انھیں خواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کر دی گئی کہ وہ ایسا نہ کریں ادھر آپ کی والدہ کو خواب میں حکم ہوا کہ لڑکے کو لے کر فوراً مصر چلی جائیں چنانچہ آپ وہاں چلی گئیں، ہیرو دیس نے حکم دیا کہ بیت اللحم اور اُس کے آس پاس جتنے بچے پیدا ہوئے ہیں اُن سب کو قتل کر دیا جائے مگر حضرت عیسیٰ مصر میں پرورش پاتے رہے جب ہیرو دیس کا انتقال ہو گیا تو آپ والدہ کے ساتھ بیت المقدس واپس آ گئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بچپن ہی سے بڑے ذہین اور تمام سمجھدار تھے، جب آپ تیس سال کے ہو گئے تو آپ کو نبوت عطا ہوئی۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو لوگوں تک پہونچایا یہودی اللہ کو بھول چکے تھے انھوں نے اپنی مرضی کے مطابق مذہب کو بدل ڈالا تھا، لہٰذا وہ آپ کے مخالف ہو گئے آپ

یہودی عالموں پر بھی سختی سے نکتہ چینی کرتے تھے۔ انھوں نے اس امر کی شکایت بادشاہِ وقت سے کی اُس نے سُولی کا حکم دے دیا۔

اُس زمانے میں یہ دستور تھا کہ جس آدمی کو مار ڈالنا ہوتا تھا اُسے صلیب پر لٹکا دیتے تھے اور اُس کے دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر کیلیں گاڑ دیتے تھے، پیروں میں بھی کیلیں گاڑ دیتے تھے آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا گیا۔

آپ کا ایک شاگرد جس کا نام یہودا تھا اور جس نے آپ کو گرفتار کرایا تھا۔ اللہ کے حکم سے آپ کی صورت کا ہوگیا۔ لوگوں نے آپ کے دھوکے میں اُسے سُولی دے دی اور آپ آسمان پر اُٹھا لیے گئے۔

قیامت کے قریب آپ پھر زمین پر اُتارے جائیں گے اور لوگوں کو ہدایت کریں گے، آپ پر انجیل نازل ہوئی جس میں رسُول اللہ کے متعلق بشارتیں ہیں۔ آپ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے چھ صدی پہلے گزرے ہیں۔

رسولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم آج سے
کوئی پونے چودہ سو سال پہلے عرب کے مشہور شہر مکّہ میں پیدا
ہوئے ۔ آپ کے والد ماجد کا نام عبد اللہ تھا اور والدہ کا نام آمنہ ۔
یوں تو اللہ تعالیٰ نے بہت سے انبیاء نازل فرمائے ہیں ۔
مگر ان میں سب سے بلند مرتبہ ہمارے نبی ہیں ، قرآن کریم دُنیا
کی تمام کتابوں سے افضل ہے ۔ جو ہمارے آخری نبی پر نازل ہُوا ۔
آپ بچپن ہی سے نیک عادت تھے ، کبھی جھوٹ نہ بولتے ،
امانت میں خیانت نہ کرتے تھے نہ وعدہ خلافی کرتے اس لئے
عرب کے لوگ آپ کو امین اور صادق کہتے تھے ۔ تمام لوگ ،
اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھا کرتے تھے ، اپنے جھگڑے بھی آپ
ہی سے فیصل کراتے کیونکہ آپ انصاف کے خلاف نہ کرتے

تھے۔ دشمن بھی اپنے جھگڑے آپ سے طے کراتے تھے۔

آپ غار حرا میں جو مکے کے قریب واقع ہے اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ جب چالیس سال کے ہو گئے تو آپ کو نبوت عطا ہوئی اور قرآن نازل ہونا شروع ہو گیا، ایک دن آپ نے لوگوں کو جمع کیا اور کہا۔

لوگو! میں خدا کا رسول ہوں، ایک خدا کی عبادت کرو اور میرا کہنا مانو۔ یہ سنتے ہی لوگ دشمن ہو گئے اور طرح طرح کی تکلیفیں دینے لگے۔ آپ پر پتھروں کی بارش کی جاتی، غلاظت پھینکی جاتی، راہ میں کانٹے بچھائے جاتے۔ مگر آپ اُف تک نہ کرتے اور لوگوں کو خدا کا پیغام سناتے رہتے۔

جب آپ کی بی بی حضرت خدیجہ اور حضرت ابوطالب کا انتقال ہو گیا تو لوگ آپ کو اور زیادہ ستانے لگے مجبوراً آپ مکہ سے مدینہ روانہ ہو گئے اس واقعہ کو ہجرت کہتے ہیں۔

آپ کی پیدائش سے پہلے اہلِ عرب کافر مشرک، جاہل اور بدکار تھے۔ خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بُت دھرے تھے، لوگ خدا کو بھول چکے تھے۔ ایسی کوئی برائی نہ تھی جو ان میں نہ تھی شراب پیتے، جُوا کھیلتے، لڑکیوں کو زندہ دفن کرتے اور لوٹ مار

کرتے تھے، آپ نے ان تمام خرابیوں کو دُور کر دیا، انھیں ایمان کی روشنی دی۔ اچھی اچھی باتیں سکھائیں۔ توحید کا سبق دیا اور ذرا سی مدت میں انھیں ایک اچھی قوم بنا دیا۔

آپ بہت زیادہ رحم دل تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ نے ایک بچّے کو سردی میں ننگا پھرتے دیکھا تو پیار کر کے گود میں اُٹھا لیا، اپنے گھر لے گئے اور کپڑے عطا کیئے، آپ لوگوں کی ہر ممکن مدد کرتے۔ ان کے ہر دُکھ درد میں شریک ہوتے اور ان کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے۔

ایک دفعہ شور و غل کی آواز آئی تو گھر سے باہر نکل کر دیکھا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک امیر آدمی ایک عورت کو بُری طرح سے مار رہا ہے۔ آپ نے اسے ایسا کرنے سے روکا اور عورتوں کے ساتھ نرمی کی تاکید فرمائی۔ وہ شخص کہنے لگا محمد یہ میری زرخرید لونڈی ہے۔ میں جو چاہوں سو کروں آپ کو کیا، وہ کسی طرح نہ مانا تو آپ نے اُسے خرید کر آزاد کر دیا۔

جب کبھی آپ کسی سے معاملہ فرماتے تو ایسی عمدگی کے ساتھ معاملہ کرتے تو فریقِ ثانی کو اس کا وہم و گمان بھی نہ ہوتا۔ ایک دفعہ ایک یہودی سے آپ نے کچھ روپیہ قرض لیا۔ وہ شخص وعدے

سے پہلے مطالبہ کرنے کے لئے آگیا، سخت تقاضا کرنے اور
بُرا بھلا کہنے لگا، حضرت عُمر کو غصّہ آگیا، انھوں نے یہودی
سے کہا چُپ رہ ورنہ تیری گردن اڑا دوں گا، آپ نے
حضرت عُمر سے فرمایا تمھیں ایسا کہنا نہ چاہیئے تھا بلکہ یہ چاہیئے
تھا کہ مجھ سے اس کا روپیہ ادا کرنے کو کہتے اور اُسے سمجھاتے کہ
بُرا بھلا نہ کہے۔ پھر آپ نے وہ روپیہ ادا کر دیا اور کچھ انعام بھی
دیا، یہ اخلاق دیکھ کر وُہ مُسلمان ہو گیا۔

ہمارے نبی نہایت حسین، سخی اور بہادر تھے۔ ایک دفعہ
ایک بدّو نے آپ سے اتنی بکریاں طلب کیں جن سے جنگل بھر
جائے تو آپ نے اُسے اسی قدر بکریاں عطا فرمائیں، یہ شخص
اپنی قوم میں جا کر کہنے لگا۔ لوگو! مسلمان ہو جاؤ، قسم خُدا کی محمد
اس قدر دیتا ہے کہ فقیری کا مطلق خوف نہیں کرتا۔

آپ بڑے انصاف پرست تھے۔ حتیٰ کہ دُشمن بھی آپ کی
اس صفت کے قائل تھے۔ ایک دفعہ ایک عورت جس کا
نام فاطمہ تھا چوری میں گرفتار ہوئی، لوگوں نے آپ سے
سفارش کی کہ اس کو سزا نہ دیجئے ورنہ ایک عزّت دار خاندان
بدنام ہو جائے گا، آپ نے ان کی ایک نہ سُنی۔ فرید جو نہایت

سیدھے سادے انسان تھے حضور کو اِن سے بہت محبت تھی
وُہ آپ سے سفارش کر بیٹھے آپ سخت ناراض ہوئے اور کہا تم
اللہ کے معاملات میں سفارش کرتے ہو۔ بخدا اگر میری بیٹی فاطمہ
بھی یہ جرم کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کٹوا دیتا۔

۱۳ ربیع الاوّل ۱۱ھ میں مدینہ شریف میں آپ کا
انتقال ہوا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

تیرہ سو سال سے زیادہ ہوتے ہیں کہ ملک عرب میں رسولِ خدا پیدا ہوئے۔ چالیس سال کی عمر میں انھوں نے نبوت کا دعویٰ کیا اور لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دی۔ آپ نے کفر و شرک اور بُرے کاموں سے لوگوں کو روکا تو تمام لوگ آپ کے جانی دشمن ہو گئے، صرف چند اشخاص نے آپ کا ساتھ دیا ان میں حضرت ابوبکر رضؓ بھی تھے وُہ حضور پر سب سے پہلے ایمان لائے۔ حضور کے ساتھ شریک ہو گئے اور تن من دھن سے قربان ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔

آپ کا نام عبدالکعبہ تھا۔ اسلام لے آنے کے بعد حضور نے ان کا نام عبداللہ رکھا اور صدیق لقب دیا، عتیق بھی آپ کا لقب ہے مگر اپنی کنیت یعنی ابوبکر سے مشہور ہیں۔ قبیلہ بنو

سے ہیں۔ ان کا نسب ساتویں پُشت میں رسُولِ خدا کے نسب سے مل جاتا ہے، اسلام سے پیشتر یہ قبیلہ لوگوں کے جھگڑے طے کرایا کرتا تھا۔

آپ کا رنگ گورا اور بدن چھریرا تھا، مکّے کے مشہور سوداگر تھے۔ بڑے مال دار تھے مگر آپ نے سب کچھ اسلام پر قربان کردیا، عمر میں حضور سے دو مہینے چھوٹے تھے، بچپن ہی سے انھیں رسُولِ خدا سے محبّت تھی، پہلے ایک ہی محلے میں رہتے تھے۔ ایمان لانے کے بعد ہر وقت آپ کے ساتھ رہنے لگے۔ ہر دُکھ درد میں ساتھ دیتے اور لڑائیوں میں آپ کی ذاتِ مبارک کی حفاظت کرتے۔ اگر کوئی دشمن آپ پر حملہ آور ہوتا تو آپ اس کا مقابلہ کرتے۔

جب مکّہ کے رہنے والوں نے مسلمانوں کو بہت زیادہ ستانا شروع کردیا تو اللہ تعالیٰ نے ہجرت کا حکم دے دیا، حضرت ابوبکر بھی آپ کے ساتھ مدینے کو روانہ ہوئے۔ پہلا قیام غارِ ثور میں کیا۔ آپ نے حضور کو باہر ٹھیرایا اور خود اندر جاکر صفائی کر دی پھر اندر لے گئے۔ اسی طرح وہ ہر جگہ آپ کی ہر وقت خدمت کرتے رہے۔

حضرت خدیجہ کے بعد سب سے بلند مرتبہ بی بی عائشہ کا ہے جو ابوبکر کی بیٹی تھیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے اللہ کی رحمت ہو ابوبکر پر کہ اُس نے اپنی بیٹی مجھے دے دی۔

جب آپ سخت بیمار ہو گئے تو آپ نے حضرت ابوبکر کو امامت کرنے کے لئے فرمایا اور خود ان کے پیچھے نماز پڑھی۔ حضور کی وفات کے بعد لوگوں نے حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنا لیا۔ اس دور میں عرب کے بہت سے قبیلے بے دین ہو گئے تھے اور کچھ لوگوں نے زکوٰۃ دینی چھوڑ دی تھی، بعض لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ البتہ، مکہ، مدینہ اور طائف کے لوگ اسلام پر قائم رہے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت ابوبکر نے فوج کے گیارہ دستے بنائے اور عرب کے اندر اور باہر چاروں طرف بھیج دیئے، ہر جگہ اسلامی فوجوں کو فتح نصیب ہوئی اور عرب کے تمام قبائل پکے مسلمان ہو گئے۔ ایران و شام میں بھی مسلمانوں کو فتح ہوئی اور اسلامی سلطنت خوب پھیل گئی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قرآن کو جمع کرایا، سورتوں اور آیتوں کی ترتیب حضور خود فرما چکے تھے بس کتاب کی صورت میں جمع ہونا باقی تھا۔ یہ کام آپ نے کروا دیا

اور اب تک وہی قرآن شریف آج تک باقی ہے۔ اس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

آپ نے پانسو حدیثیں بھی جمع کرائی تھیں۔ اور بُرے کاموں کی سزائیں بھی مقرر کی تھیں، مثلاً شرابی کے چالیس دُرّے لگائے جاتے تھے۔ دیگر برائیوں پہ بھی طرح طرح کی سزائیں دی جاتی تھیں، مفتی مقرر کئے جو لوگوں کو ہر چھوٹی بڑی بات خدا کے دین کی بتلاتے تھے۔

آپ دوسرے مذہب والوں کا بھی بہت خیال رکھتے تھے اور کسی کو کسی کا حق دبانے نہیں دیتے تھے، محلے والوں کی ان کے ذاتی معاملات میں مدد کرتے اور کمزور بوڑھے آدمیوں کی مدد کرتے تھے، آپ دو سال اور سات مہینے خلیفہ رہے۔ پیر کے روز وفات پائی اُس وقت آپ کی عمر ۶۵ سال اور نو مہینے تھی۔

آپ بڑے حلیم الطبع اور نرم دل تھے، کئی بار راہِ خدا میں اپنا سارا گھر لٹایا اور غزوات میں اپنے مال سے مسلمانوں کی خوب خوب امداد کی، آپ کے دور میں نظام حکومت بہت عمدہ رہا، ہر طرف عدل و انصاف

کا دور دورہ رہا اور اسلام کا خوب بول بالا ہوا، غزوۂ اُحد میں جب تمام مسلمان مالِ غنیمت لوٹنے کے لئے حضور کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے تب بھی آپ نے رسُولِ خدا کا ساتھ نہ چھوڑا تو اور دشمنوں نے آپ پر سخت حملے کئے تو آپ نے بڑی جاں نثاری سے ان کی مدافعت کی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ

آپ قریش کے قبیلہ عدی سے تھے۔ اسلام سے پیشتر آپ کا قبیلہ سفارت کے فرائض انجام دیا کرتا تھا یعنی جب دو فریقوں میں لڑائی ہوتی یا صلح وغیرہ کی بات چیت ہوتی تو یہ معاملات طے کراتے۔ اس وجہ سے قریش کے جوان بڑے باہمت ہو گئے تھے۔
آپ کا نسب آٹھویں پُشت میں حضور کے نسب سے کعب بن لوئی سے مل جاتا ہے۔ آپ کی کنیت ابو حفص تھی، لقب فاروق تھا یہ حضور نے عطا فرمایا تھا۔ ۵۸۲ء میں پیدا ہوئے یعنی ہجرت سے چالیس سال پہلے پیدا ہوئے۔ لڑکپن میں اونٹوں کے چرانے کا کام کیا کرتے تھے پھر سوداگری کرنے لگے تھے۔
شروع شروع وہ مسلمانوں کے سخت دشمن تھے ایک دن حضور کے شہید کرنے کے ارادے سے نکلے کسی نے کہا

دیا کہاں جارہے ہو پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو تمہاری بہن مسلمان ہو گئی ہیں۔ یہ سُنتے ہی بہن کے گھر پہونچے وہاں قرآن کی کوئی آیت پڑھتے سُنی، دل پر اثر ہُوا اور حضور کی خدمت میں آکر مُسلمان ہو گئے پھر مسلمانوں کی طرف سے خوب لڑے حتیٰ کہ جنگ بدر میں ان کے ماموں جو کافروں کی طرف سے لڑ رہے تھے، انھیں بھی آپ نے قتل کر دیا۔

جب مسلمانوں کو کسی کافر عورت کے ساتھ شادی کرنے سے منع کیا گیا تو آپ نے اپنی دو کافر بیویوں کو طلاق دے دی، ان میں سے ایک کا نام قریبہ اور دوسری کا ام کلثوم تھا۔

ان کی خلافت میں حکومت اسلام نے بہت ترقی کی فلسطین بیت المقدس، ایران عراق، مصر پر مسلمانوں کا قبضہ ہُوا اس کے باوجود وُہ بہت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ بیت المال سے صرف اتنا روپیہ لیتے کہ نہایت سادہ زندگی گزارنے کے لئے بھی ناکافی ہوتا تھا۔ وُہ مسلمانوں کو سادگی کی تلقین کرتے تھے۔

ایک دفعہ شام کی طرف گئے تو وہاں فوجی افسروں کو ریشمین لباس پہنے دیکھا تو آپ بہت خفا ہوئے۔ آپ کا انصاف

آج تک ضرب المثل ہے۔ عدل کرتے وقت کسی دوست، رشتہ دار، امیر رئیس کا کوئی خیال نہ کرتے تھے۔

آپ نے حضرت عمرو بن العاص کے بیٹے کو جو بڑے صحابی اور ملک مصر کے فاتح تھے اُس شخص سے پٹوایا جس کو انھوں نے بے قصور مارا تھا۔ اتنے بڑے خلیفہ ہونے پر بھی آپ بیوہ غریب عورتوں کی خدمت کرتے تھے اور اپنے کندھوں پر پانی کی مشک اُٹھا کر لاتے تھے۔ بازار سے سودا لا دیا کرتے۔ بیرونی ممالک سے سپاہیوں کے خطوط آتے تو انھیں بانٹتے پھرتے اور ان کے گھر والوں کو پڑھ کر سُناتے اور جواب لکھ کر دیتے وہ گھروں کی چوکھٹوں پر بیٹھ کر خطوط پڑھتے اور لکھتے پھرا کرتے۔

ایک پارسی غلام نے جب آپ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے آپ پر خنجر سے چھ وار کئے جن میں سے ایک وار بہت کاری لگا اور آپ چکرا کر گر پڑے۔ تین دن بعد زخموں کی تکلیف سے انتقال کر گئے۔

یکم محرم بروز شنبہ ۲۴ھ آپ کا انتقال ہوا انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

پارسی غلام فیروز آپ کے پاس اپنے آقا کی شکایت لے کر آیا تھا آپ نے اس سے فرمایا، اپنے آقا کی اطاعت کر اس پر وہ آپ سے ناراض ہو گیا اور موقعہ کی تاک میں رہا بالآخر اپنے مقصد میں کامیاب ہوُا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

لوگوں کے کہنے سُننے سے حضرت عمرؓ خلیفہ دوم نے چند آدمیوں کو خلافت کے لیے منتخب کر دیا کہ ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کرلیں۔ ان میں حضرت عثمان اور حضرت علی کا نام بھی تھا۔ لوگوں نے حضرت عثمان کو منتخب کرلیا اور ان سے اقرار لیا کہ وہ خدا و رسول کے احکامات پر چلیں گے۔

جب حضرت عثمان مسلمان ہوئے تو مکّہ کے کافروں نے آپ کو بھی خوب ستایا خود ان کے چچا نے باندھ باندھ کر انھیں مارا اور ایک چٹائی میں لپیٹ کر انھیں دھونی دی تو یہ رسُول اللہؐ سے اجازت لے کر ملک حبشہ کی طرف چلے گئے لیکن حضور کی جدائی کو برداشت نہ کرسکے اس لئے اہل و عیال کے ساتھ واپس لوٹ آئے۔

جب دوسری ہجرت میں مسلمان مدینہ کی طرف چلے گئے تو آپ بھی ان کے ساتھ ہو لیے، وہاں ایک کنواں یہودیوں کا تھا مسلمانوں کو چونکہ پانی کی تکلیف تھی لہٰذا آپ نے اُسے خرید کر راہِ خدا میں وقف کر دیا، اس طرح مسلمانوں کو پانی آسانی سے ملنے لگا۔

ہر جنگ میں رسول اللہ کے ساتھ رہے صرف جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے کیونکہ آپ کی اہلیہ رقیہ سخت بیمار تھیں آپ کو اس امر کا بڑا افسوس ہوا مگر حضور نے فرمایا بدر کی لڑائی میں جو درجہ اور مسلمانوں کا ہے وہی تمہارا بھی ہے اس کے علاوہ آپ ہمیشہ ہر خطرہ کے وقت رسولِ خدا کے ساتھ رہے۔

جب آپ خلیفہ منتخب ہوئے تو جگہ جگہ بغاوتیں ہوئیں۔ لیکن آپ نے بغاوتوں کو فرو کر دیا اور ملکی نظام کو درست کر دیا۔ افریقہ میں، طرابلس، برقہ اور مراکش فتح ہوئے۔ ایشیا میں خراسان و ترکستان کا کچھ حصہ فتح ہوا آرسینیا اور آذربیجان بھی مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے۔

آپ کی خلافت کے آخری چھ سال میں آپ کا ایک رشتہ دار مروان سیکریٹری ہو گیا تھا اس کے زمانے میں بہت گڑبڑ ہوئی کیونکہ وہ حضرت عثمان کو اطلاع کیے بغیر صوبہ داروں کو حکم بھیج دیا کرتا اور حضرت عثمان

کی طرف سے دستخط کر دیا کرتا اور مُہر لگا دیتا اس لئے کچھ لوگوں کو اس سے شکایت پیدا ہو گئی اور لوگ آپ سے ناخوش رہنے لگے۔ ملک میں آپ کے خلاف بغاوت ہو گئی۔ چنانچہ بصرہ، کوفہ اور مصر کے کچھ آدمی مدینے پر چڑھ آئے اور آپ سے شکایت کی آپ کو مروان پر پورا بھروسہ تھا اس لئے اس کو برخاست نہ کیا اور باغیوں کی ایک بات بھی نہ مانی آخر بلوائیوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور مدینے کے لوگوں کو بھی تنگ کیا، کئی روز تک آپ محصور رہے بالآخر باغیوں نے آپ کو شہید کر دیا۔

اگر آپ چاہتے تو اسلامی فوج کو ان کے خلاف استعمال کر سکتے تھے مگر آپ نے یہ گوارا نہ کیا کہ مسلمانوں میں آپس میں لڑائی ہو اور اپنی جان دے دی، مدینے کے بڑے بڑے لوگوں نے اپنی خدمات پیش کرنا چاہیں لیکن انہوں نے کسی کی مدد لینی گوارا نہ کی۔ جس وقت آپ کو شہید کیا گیا ہے آپ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے کلام پاک کی تلاوت کر رہے تھے آپ کی بیوی نائلہ نے ہر چند مدافعت کی مگر کچھ نہ ہوا وہ بھی زخمی ہو گئیں اور باغی کامیاب ہو گئے ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ

آپ رسول اللہ کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے۔ ان کے باپ ابو طالب تھے جو رسول اللہ کے چچا اور مربیّ تھے ان کی پرورش رسول اللہ کے گھر ہی میں ہوئی۔ حضور نے اپنی بیٹی فاطمہ سے آپ کا نکاح کر دیا۔ ان سے حسن اور حسین پیدا ہوئے جو رسول اللہ کے نواسے ہیں۔ آپ کی کنیت ابوالحسن تھی۔ آٹھ سال کی عمر میں اسلام لائے۔

ایک روز مسجد میں زمین پر سوئے ہوئے تھے۔ آنحضرتؐ نے آپ کو جگایا چونکہ جسم پر مٹی لگی ہوئی تھی اس لئے آپ نے انھیں ابوتراب یعنی اے مٹی والے کہہ کر پکارا۔ جب ہی سے آپ ابوتراب مشہور ہو گئے یہ لقب آپ کو بہت پسند تھا۔

حضور نے جتنی بھی لڑائیاں کفار سے لڑیں۔ ان سب میں آپ

حضور کے ساتھ رہے اور کافروں کو نیچا دکھایا حضرت جنگ تبوک میں آپ شریک نہ ہو سکے تھے کیونکہ اِن دنوں حضور کی طرف سے آپ حاکم مدینہ تھے۔

جب رسول اللہ نے مکہ سے مدینہ کو ہجرت کی تو آپ کے گھر کو کافروں نے گھیر لیا تھا۔ آپ نے حضرت علی کو اپنے بستر پر لٹا دیا اور کہا صبح ہوتے لوگوں کی امانتیں واپس کر کے مدینہ چلے آنا۔

جب جنگ بدر ہوئی تو آپ نے کافروں کے بڑے بڑے نامور پہلوانوں کو قتل کر دیا۔ اس طرح ان کا زور ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد جنگ اُحد ہوئی۔ شروع شروع مسلمانوں کو فتح ہوئی اور کافر بھاگ کھڑے ہوئے تو مسلمان ان کا مال لوٹنے میں لگ گئے حضرت خالد اور عمرو بن عاص جو ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے پہاڑ کے پیچھے سے حملہ آور ہوئے اور حضرت تک آپہونچے، آپ زخمی ہوئے اور دو دانت شہید ہو گئے۔ اس وقت حضرت علی نے ایسی بہادری کے ساتھ اُن کے حملہ کا جواب دیا کہ اُنھیں پیچھے ہٹنا پڑا۔ اگرچہ آپ زخمی ہو گئے مگر رسول اللہ کو آپ نے بچا لیا اتنے میں اور مسلمان بھی آ گئے اور کافر بھاگ گئے۔

عمرو بن عبدود عرب کا مشہور پہلوان تھا وہ ایک ہزار جوانوں

کے برابر سمجھا جاتا تھا جنگ خندق میں اُس نے خندق کو پھاندا اور میدان میں آکر آنحضرت سے کہا کہ میں آپ سے دست بدست لڑائی کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت علی حضور سے اجازت لے کر اُس سے لڑے اور اُسے قتل کر دیا۔

جب حضور نے خیبر کے قلعہ پر چڑھائی کی اور اس کو گھیر لیا تو کئی دن تک کئی بہادر صحابہ نے قلعہ کو فتح کرنے کی کوشش کی مگر کسی طرح کامیابی نہ ہوئی تب آپ نے حضرت علی کے ہاتھوں میں جھنڈا دیا تو آپ نے قلعہ کا دروازہ توڑ دیا اور قلعہ کو فتح کر لیا۔

جب حضور کا انتقال ہو گیا تو حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان باری باری اُن کے خلیفہ منتخب ہوئے۔ حضرت عثمان کو باغیوں نے شہید کر دیا تھا اور مدینہ کے لوگوں سے کہا تھا کہ دو دن کے اندر اندر کسی اور کو خلیفہ بناؤ ورنہ ہم حضرت علی، طلحہ رض اور زبیر رض وغیرہ کو بھی قتل کر دیں گے چنانچہ اہل مدینہ نے حضرت علی کو خلیفہ منتخب کر لیا آپ راضی ہو گئے مگر باہر کے کچھ لوگوں نے آپ کو خلیفہ ماننے سے انکار کر دیا ادھر حضرت طلحہ اور حضرت زبیر جو بڑے صحابہ سے تھے۔ جنگِ جمل میں حضرت کے خلاف لڑے ادھر امیر معاویہ نے جنگِ صفین میں اُن سے مقابلہ کیا۔ کیونکہ انھوں نے حضرت عثمان

کے خون کا بدلہ باغیوں سے نہیں لیا تھا۔ بالآخر ایک خارجی عبدالرحمان بن مسلم کے ہاتھوں صبح کی نماز میں شہید ہو گئے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اس روز سے آج تک مسلمان آپس میں لڑتے چلے آتے ہیں۔ اور حضور نے جو بھائی چارہ قائم کیا تھا۔ حضرت عثمان کے آخری دور خلافت سے لوگوں نے اُسے توڑ ڈالا۔ قرآن پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور اللہ کے حکم کو اسلام کی رسّی کو مضبوط پکڑے رہنا بھول گئے۔ اسی وجہ سے عام طور پر مسلمانوں کی عادتیں اور ڈھنگ بگڑ گئے۔

خدا نے ہندوستان میں دو سو برس تک حکومت چھین کر ان کو انگریزوں کی رعایا بنائے رکھا۔ اب ہندوستان کی حکومت میں سے ایک چھوٹا سا حصہ پاکستان ان کو دیا ہے۔ اگر انھوں نے خود غرضی اور آپس کی لڑائیاں قائم رکھیں تو خدا ہی جانتا ہے کہ مسلمانوں کا کیا حال ہوگا۔

پیارے بچّو! اب تم لکھ پڑھ کر اور بڑے ہو کر اسلام کی خدمت کرنا، سچ بولنا اور آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کرنا جس کا جو حق ہو اس کو دینا اور انصاف سے نہ ہٹنا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام

حضرت امام حسین نے اسلام اور حق کے بول بالا کرنے کے لئے نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ اپنے تمام کنبے کو قربان کر دیا آپ کا نام تاریخِ اسلام میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ آپ کی قربانی تمام عالمِ انسانیت کو اس امر کا درس دیتی رہے گی کہ حق کے لئے جان، مال اور آل اولاد کی پرواہ نہ کرنی چاہیئے۔

آپ رسول اللہ کے نواسے تھے، آپ کے بڑے بھائی حضرت امام حسن ع تھے۔ رسول اللہ ان کے گلے کو بوسہ دیا کرتے تھے کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ وہ شہید ہوں گے اور خدا کی راہ میں ان کا گلا کاٹا جائے گا۔

آپ ابھی بچے تھے کہ آپ نے عید کے دن رسول اللہ سے کہا کہ میں تو اونٹ پر سوار ہو کر عید گاہ جاؤں گا۔ آنحضرت

نے فرمایا کہ میرے کندھوں پر سوار ہو جاؤ میں تمہارا اونٹ بنتا ہوں لہٰذا آپ رسول پاک کے کندھے پر سوار ہو گئے۔

جب آپ چھ سال کے ہوئے تو آپ کے نانا یعنی رسول اللہ کا انتقال ہو گیا اور ان کے چھ ماہ بعد آپ کی والدہ حضرت فاطمہ وفات پا گئیں۔ حضرت علی نے آپ کی تربیت کی اور پڑھایا لکھایا۔

جب حضرت علی کو شہید کر دیا گیا تو آپ کے بڑے بھائی حضرت امام حسن خلیفہ ہوئے مگر انھوں نے لڑائی جھگڑا پسند نہ کیا اور حضرت معاویہ جو دعویدار خلافت تھے ان کے حق میں دست بردار ہو گئے۔

امیر معاویہ نے اپنے مرنے سے پہلے اپنے بیٹے یزید کو اپنا خلیفہ نامزد کر دیا وہ شرابی اور بدکار تھا، اس کا خلیفہ بننا اسلام کی جڑ کٹ جانے کے مترادف تھا، لہٰذا جب خلیفہ بنا تو امام حسینؓ نے اس کی خلافت کو تسلیم نہ کیا۔

یزید نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی حکم دے دیا کہ جو شخص میری خلافت کو نہ مانے اُسے قتل کر دیا جائے۔ اس لئے مدینہ کے حاکم نے حضرت امام حسین کو بہت تنگ کیا اور آپ مجبوراً مدینہ سے مکہ تشریف لے گئے۔ یہاں بھی آپ کو یزید کے حاکم نے چین سے نہ بیٹھنے دیا ادھر کوفہ والوں نے آپ کو بلاوا بھیجا اور کہا کہ ہم

یزید سے لڑیں گے۔ پہلے آپ نے اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل کو بھیجا اور دو آدمی ان کے ساتھ کئے۔ کوفہ والوں نے اُن کی بڑی آؤ بھگت کی مگر جب یزید کے افسروں نے انہیں ڈرایا دھمکایا تو حضرت مسلم اور ان کے دو چھوٹے بچوں کو شہید کر دیا۔ حضرت مسلم امام حسینؓ کو بلانے کے لئے کئی خطوط لکھ بھیجے تھے۔ لہٰذا آپ کوفہ کے ارادے سے چل پڑے ـــ

جب راستہ بھول کر آپ کا گھوڑا خود بخود وہاں رُک گیا تو آپ نے سوچا کہ بس یہیں ٹھیرنا مناسب ہے۔ ایک آدھ منزل پہلے حضرت مسلم کا ایک آدمی انھیں آ ملا تھا اور بتایا تھا کہ کوفہ والوں نے غداری کی ہے اور یزید کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ آپ ادھر نہ جائیے کیونکہ یزید نے آپ کے گرفتار کرنے کے لئے ادھر فوجیں بھیج دی ہیں۔

یزید کی فوج میں ایک شخص حُر تھا۔ اُس نے حضرت امام حسینؓ کو حق پر سمجھ کر ان کا ساتھ دیا اور آپ کے لشکر میں آ ملا اس کے دو بھائی اور غلام بھی اس کے ساتھ تھے۔ سب سے پہلے یزید کے لشکر سے یہی لڑے۔ محرم کی ساتویں تاریخ سے حضرت امام حسینؓ کے قافلہ پر پانی بند کر دیا گیا۔ غرض کھانا پینا کچھ نہ

رہا فاقے سے رہے۔ دسویں تاریخ کو صبح کے وقت لڑائی شروع ہوئی اور دوپہر تک جاری رہی۔ حضرت امام حسینؑ بھی لڑے اور یزید کے سیکڑوں آدمی مارے گئے۔ لیکن اُس کی فوج دس ہزار کے قریب تھی اور یہ کل بہتر نفر تھے۔ آخرکار یہ سب شہید ہوگئے، حضرت امام حسینؑ کا سر کاٹ کر نیزے پر لٹکا دیا گیا اور عورتوں کو قید کرکے دربار یزید میں پہونچا دیا گیا چونکہ امام زین العابدین جنگ کے دن بیمار تھے لہٰذا صرف وہ زندہ بچ رہے۔

تاریخ اسلام میں یہ ایسا ظلم ہوا ہے کہ آج تک سب مسلمان حضرت امام حسینؑ کی شہادت کو یاد کرکے روتے ہیں۔ دیکھو اگر امام حسینؑ یزید کی اطاعت کو قبول کر لیتے تو یزید کی طرح شراب پینا اور بدکاری میں پڑ جانا ہی اسلام سمجھا جاتا اور ایک بھی سچا مسلمان نہ رہتا۔

بچو! یہ حضرت امام حسینؑ ہی تھے جنھوں نے اسلام کو زندہ رکھا اور اپنی جان، آن، اولاد کی پرواہ نہ کی۔

دسویں محرم کو اسی شہادتِ عظمیٰ کی یادگار میں مسلمان، ماتم تعزیہ داری اور مجلس وغیرہ کرتے ہیں اور تمام عالمِ اسلام

ہیں اِس دن اس یاد کو تازہ کرنے کے لئے طرح طرح کے جشن اور مراسم کئے جاتے ہیں۔

بچّو! تم بھی بڑے ہو کر حضرت امام حسین کی طرح حق کا ساتھ دینا اور ناحق کے مٹانے کی مخلصانہ کوشش کرنا، امام حسینؑ کی طرح سوائے خدا کے کسی سے نہ ڈرنا۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

آپ کے والد ولیدؔ قوم قریش کے دولت مند انسان تھے جب رسول اکرم نے فرمایا کہ بتوں کی پُوجا چھوڑ دو تو آپ اور آپ کے والد رسُول اللہ اور مسلمانوں کے سخت دشمن ہو گئے۔ اس وقت حضرت خالد کی عمر سترہ سال کی تھی ان کے والد مرتے دم تک کافر رہے لیکن حضرت خالد مسلمان ہو گئے۔ اور ایسے سچے مسلمان ہُوئے کہ آج تک ان کا نام روشن ہے اور بڑی عزت سے ان کا نام لیا جاتا ہے۔

حضرت خالد تلوار کے سائے میں پھلے پھولے وہ بڑے پھرتیلے اور نڈر تھے، گھوڑے کی سواری اور نیزہ بازی کے ماہر تھے گو آپ کے والد نے ان کی تعلیم کا اچھا انتظام کیا تھا مگر آپ بجائے قلم کے تلوار کے دھنی تھے، یہی سبب

ہے کہ آپ سپہ سالاری کے درجے کو پہنچ گئے اور بہت بڑے سپہ سالار بن گئے جب شروع شروع مسلمانوں اور کافروں میں لڑائیاں ہوئیں تو آپ کافروں کی طرف سے لڑے چنانچہ جنگ اُحد میں پہاڑ کے پیچھے سے آپ ہی نے حملہ کیا تھا مگر خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ کچھ دن نہ گزرے کہ آپ مسلمان ہو گئے اور کافروں کے خلاف بہت سی لڑائیوں میں شریک ہوئے اور ان پر اپنی بہادری کا سکہ بٹھا دیا۔ آج تک ان جیسا کوئی مشہور سپہ سالار اور ہر دل عزیز بہادر نہیں ہوا۔ اسی لئے رسول اللہ نے آپ کو سیف اللہ یعنی اللہ کی تلوار کا خطاب مرحمت فرمایا۔

"تاریخ عالم میں ایسی مثال مشکل سے ملے گی کہ تنہا ایک شخص چند آدمیوں کے ساتھ بڑی بڑی فوجوں سے بھڑا ہو اور انھیں شکست فاش بھی دی ہو مگر حضرت خالد کئی لڑائیوں میں اسی طرح لڑے اور فتح یاب ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان لڑائیوں میں مسلمانوں کو ایمان، خلوص اور قربانی کی وجہ سے فتح ہوئی۔ مسلمانوں نے اپنے دشمنوں سے اچھا سلوک کیا، ان کی عزت، مال، جان، عورتوں اور بچوں کی پوری

پوری حفاظت کی۔ اس کا دشمنوں پر یہ اثر ہوا کہ وہ گرویدہ ہو گئے اور دوست بن گئے۔ مسلمانوں کے اخلاق و عادات بہت اچھے تھے۔ وہ یادِ خدا میں رات کو جاگتے اور دن میں روزہ رکھتے۔ ان میں سب برابر تھے کوئی چھوٹا بڑا نہ تھا، اونچ نیچ کا کوئی فرق نہ تھا۔ چھوٹے بڑے سپاہی اور افسر سب برابر تھے، وہ آپس میں برابری کا سلوک کرتے اور دشمنوں کے ساتھ رعایت کرتے ان میں سچا جوش پایا جاتا تھا۔ وعدے کے سخت پابند تھے اس کے برخلاف کافروں کے افسر ہر وقت شراب میں مست رہتے تھے۔ کسی سے وعدہ کرتے تو پورا نہ کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی اچھی عادتوں نے کافروں کو دین دار بنا دیا اور اسلام کے حلقہ میں شامل کر دیا۔

عزیز بچو! تم بھی بڑے ہو کر حضرت خالد بن ولید کی پیروی کرنا اور اسلام کی خدمت کو اپنا شعار بنانا، خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرنا اور ہمیشہ اسلام کے لئے سربکف رہنا۔

اسلام زندہ باد! اسلام زندہ باد!

طارق بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ

اسلام کے بہادروں میں طارق بن زیاد کا نام بھی سرِفہرست ہے۔ آج سے کوئی آٹھ سو سال کے قریب ہوئے ہیں کہ افریقہ کے شمال میں ایک بہادر قوم آباد تھی جسے بربر کہتے تھے۔ اس قوم کا ایک فرد زیاد بھی تھا جو دمشق میں سکونت پذیر تھا اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا تو اس نے طارق نام رکھا۔ چنانچہ وہ طارق بن زیاد کے نام سے مشہور چلا جاتا ہے۔

طارق کی ابتدائی تعلیم دمشق میں ہوئی۔ جب وہ سترہ برس کا ہو گیا تو اُس نے اسلامی فوج میں داخل ہو کر ایسے ایسے عظیم الشان کام انجام دیئے کہ افریقہ کا حاکم موسیٰ بن نصیر اس سے بہت ہی خوش ہوا لہٰذا وہ اُسے اپنے ساتھ لے گیا۔ جنگ کے تمام کام اُسے سکھائے اور وہ بڑا بھاری جنگجو بن گیا۔

جب طارق فنِ حرب میں ماہر ہو گیا تو اُسے مراکش کے ایک صوبہ یعنی طنجہ کا گورنر بنا دیا۔ مراکش ایک مُلک ہے جو افریقہ کے شمالی ساحل پہ واقع ہے اور مغرب کی جانب ہے۔ طنجہ اُس کا بندرگاہ اور شہر ہے یعنی سمندر کے کنارے آباد ہے۔ اس کے شمال میں بالمقابل ہسپانیہ کا ملک آباد ہے جو اسلامی دَور میں اندلس کہلاتا تھا۔ یہاں کی رعایا عیسائی حاکموں سے بہت نالاں تھی۔ بادشاہ امیروں کے ساتھ تو اچھا برتاؤ کرتا مگر غریبوں کے ساتھ بُرا برتاؤ کرتا تھا۔ لہٰذا پہلے تو عام پبلک نے اس کے خلاف بغاوت کی مگر بغاوت جب ناکامیاب رہی تو ان پر بے تحاشا مظالم ڈھائے جانے لگے ان مظالم سے تنگ آکر لوگوں نے موسیٰ بن نصیر سے درخواست کی کہ وہ ہسپانیہ پر حملہ کرکے وہاں کے لوگوں کو بادشاہ کے ظلم سے چھڑا لے۔ موسیٰ نے طارق کو حکم دیا کہ سات ہزار مجاہدوں کو ساتھ لے کر ہسپانیہ پر حملہ کر دے۔ طارق چار جہازوں میں فوج کو سوار کرکے ہسپانیہ کی طرف روانہ ہُوا۔ نوبت بہ نوبت ان چار جہازوں نے ان سپاہیوں کو ساحل ہسپانیہ پر جا اُتارا۔ آخری جہاز میں طارق سوار ہُوا۔ یہ فوج ہسپانیہ کے کنارے ایک پہاڑ کے دامن میں فروکش ہوئی جسے آج تک اس کے نام پر جبل الطارق

یا انگریزی میں جبرالٹر کہتے ہیں جس کے معنی ہیں طارق کی پہاڑی۔
بعد ازاں آہستہ آہستہ پورے ہسپانیہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور طارق کی یہ فتح اسلام کی فتح ہوئی۔ کیونکہ اس کے حملے نے یورپ میں پیش قدمی کے راستے کھول دیئے تھے۔ ہسپانیہ کے باشندے مسلمانوں کا اچھا برتاؤ دیکھ کر بخوشی مسلمان ہو گئے۔

پیارے بچو! جب طارق ہسپانیہ میں پہونچا تو اُس نے اپنے تمام جہاز جلوا دیئے، لوگوں نے اعتراض کیا کہ یہ کیا کیا۔ ہمارے سامنے دشمن ہے اور پیچھے سمندر ہے اور ہم یہاں غریب الوطن ہیں۔ طارق نے تلوار پر ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے کہا ہر ملک ہمارا ہے، اس لئے کہ ہمارے خدا کا ملک ہے۔ ہم یہاں رہنے آئے ہیں بھاگنے کے لئے نہیں آئے چنانچہ مسلمانوں نے جان توڑ کر حملہ کیا اور اس کی اس اچھی تدبیر کی وجہ سے دشمنوں پر فتح پائی۔

محمدؒ بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ

کوئی تیرہ سو سال کی بات ہے کہ عراق میں بنو امیہ کی حکومت تھی۔ ولیدؒ بن عبدالملک کا زمانہ تھا۔ حجاج بن یوسف اس کی طرف سے عراق کا گورنر تھا۔ حجاج کا ایک نوعمر عزیز محمدؒ بن قاسم تھا یہ صرف سترہ سال کا تھا کہ حجاج نے اسے شیراز پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا وہاں سے سندھ کی طرف روانہ کیا لہٰذا محمدؒ بن قاسم کراچی پہونچا یہاں راجہ داہر کی حکومت تھی۔ محمدؒ بن قاسم اُس سے لڑا اور اُس کو شکست دی۔

محمدؒ بن قاسم نے اس خوبی سے ملک کا انتظام کیا کہ تمام رعایا خوش حال ہوگئی اور دشمن بھی دوست بن گئے۔ تمام ہندوستان میں اس کے حسنِ اخلاق کی شہرت ہوگئی پھر کیا تھا جدھر جاتا فتح پاتا۔

بہت سے ہندو اسے دیوتا سمجھنے لگے تھے۔ محمدؐ بن قاسم سندھ کو فتح کرتے ہوئے ملتان تک پہونچا ہی تھا کہ ولید بن عبدالملک شاہ بنو امیہ کا انتقال ہو گیا۔ اور اس کی جگہ اس کا بھائی سلیمان بن عبدالملک تخت پر بیٹھا۔ سلیمان کو حجاج اور محمدؐ بن قاسم سے پرانی دشمنی تھی لہٰذا اس نے حکومت سنبھالتے ہی محمد بن قاسم کو معزول کر دیا اور گرفتار کرا کے واپس بلا لیا۔ ہندوستانیوں کو اس بات کا بڑا صدمہ ہوا اگر محمدؐ بن قاسم چاہتا تو گرفتار نہ ہوتا۔ مگر اس نے بادشاہ کے خلاف نہ کرنا چاہا۔ حجاج بھی مر چکا تھا اس کی جگہ جو شخص عراق کا گورنر مقرر ہوا وہ بھی محمدؐ بن قاسم کا دشمن تھا۔ جب وہ گرفتار ہو کر بصرہ پہونچا تو اس نے ورسط کے قید خانے میں اسے ڈال دیا، وہاں اسے سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ حتیٰ کہ وہ قتل کر دیا گیا۔ ہندوستانیوں نے اس کی وفات کی خبر سنی تو وہ بہت روئے کیونکہ ابن قاسم کے زمانے میں وہ بڑے امن و امان سے رہے۔

کراچی پر حملہ کرنے کا یہ سبب ہوا تھا کہ سیلون سے کچھ مسلمان عورتیں اور بچے آرہے تھے۔ دیبل یعنی کراچی کے قریب ڈاکوؤں نے انھیں لوٹ لیا۔ حجاج نے اس بارے میں راجہ داہر کو خط

لکھا کہ ہماری عورتیں واپس کر دے۔ راجہ نے اس کی چھٹی کی کوئی پرواہ نہ کی اس لیے اس نے بدلہ لینے کے لیے کراچی پر حملہ کر دیا اور داہر کو شکست دے دی۔ عربی فوج میں صرف چھ ہزار سپاہی تھے اور داہر کے پاس پچاس ہزار سپاہی تھے۔

محمدؒ بن قاسم نے ہندوستان میں اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی اور تمام ظالمانہ قوانین ختم کر دیئے۔ گذشتہ حکومتوں نے رعایا پر جو ظالمانہ ٹیکس لگا رکھے تھے وہ سب منسوخ کر دیئے اور دیانت و عدل سے حکومت کی۔ جگہ جگہ مسجدیں بنائیں۔ راستے پرامن ہو گئے اور ہر شخص آرام کی زندگی بسر کرنے لگا۔ مسلمانوں کے اخلاق دیکھ کر ہندوستانی مسلمان ہونے لگے اور ہر طرف اللہ اکبر کی آوازیں آنے لگیں۔

کئی سلطنتوں نے بغیر جنگ کئے محمد بن قاسم کی اطاعت قبول کر لی۔ چنانچہ جب وہ غیردل کی طرف بڑھا تو وہاں کے لوگوں نے بخوشی شہر اس کو دے دیا اور اطاعت قبول کر لی۔ اس طرح کئی ایک شہر بغیر کسی لڑائی جھگڑے کے اسلامی حکومت میں داخل ہو گئے۔

محمدؒ بن قاسم یہاں کی جنگ کے تمام حالات لکھ کر عراق کو

بھیجتا وہاں سے ہدایات آتیں اور ان کے مطابق وہ عمل کرتا تھا۔
سندھ کے باشندے بدھ اور ہندو مذہب کے پابند تھے۔ وہ
شروع شروع مسلمانوں سے ڈرے۔ چنانچہ ایک دفعہ کچھ ہندو
محمدؒ بن قاسم سے آکر ملے کہنے لگے۔ ہم اپنے مندروں کی مرمت
اور ان کی پوجا پاٹ کرنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ ہمیں اس امر کی
اجازت دیتے ہیں۔ حسبِ دستور محمدؒ بن قاسم نے اس بارے میں
حجاج بن یوسف کو چٹھی بھیجی اُس نے جواب میں لکھا کہ چونکہ اِن
لوگوں نے ہماری اطاعت قبول کر لی ہے لہٰذا اب وہ ہماری حفاظت
میں آ گئے ہیں۔ انھوں نے ٹیکس دینا بھی قبول کیا ہے۔ انھیں اپنے
معبودوں کے پوجنے کی پوری پوری اجازت ہے۔ کسی شخص کو اس
کے اپنے مذہب پر چلنے سے نہ روکا جائے۔ وہ جس طرح چاہیں
اپنی عبادت گاہیں بنوالیں اور ان میں رہن سہن اور پوجا پاٹ
رکھیں۔ ابن قاسم نے یہ حکم ہندوؤں کو سُنا دیا اور فوجوں کو ہدایت
کر دی کہ یہاں کے باشندوں کو اپنا بھائی سمجھو کسی بستی کو آگ نہ
لگاؤ نہ کسی بوڑھے، بچے اور عورت پر ہاتھ اٹھاؤ۔

محمد جن شہروں کو فتح کر کے وہاں کے رہنے والوں کے ساتھ
اچھا سلوک کرتا۔ نرمی اور محبت سے پیش آتا۔ کسی کے مذہب میں

دخل نہ دیتا۔ ہر شخص آزاد تھا جو مذہب چاہیے اختیار کرتا۔ جن
مندروں کو لڑائیوں میں نقصان پہونچتا وہ انھیں درست کرا دیتا۔
اس کا یہ اخلاق دیکھ کر لوگ اس پر جان نثار کرنے لگے۔

عربوں نے دیبل یعنی کراچی کا محاصرہ تقریباً تین ماہ جاری رکھا
مگر لڑائی کا کچھ فیصلہ نہ ہو سکا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ مسلمانوں نے
شہر کی چار دیواری پر بڑے بڑے پتھر برسائے۔ ایک گولہ شہر کے
جھنڈے پر جا لگا جو ایک مندر پر لگا ہوا تھا۔ یہ جھنڈا بڑا بھاری تھا۔
جھنڈے کے گرتے ہی اہلِ شہر بددل ہو گئے اور مسلمانوں نے شہر
فتح کر لیا۔

دیبل کے بعد ابن قاسم روڑی کی طرف بڑھا یہاں راجہ داہر کی
فوج بہت تعداد میں جمع تھی چونکہ درمیان میں دریائے سندھ کا پُل
پڑتا تھا۔ لہٰذا محمدؒ نے کشتیوں کا پُل بنا کر دریا کو پار کر لیا۔ پھر کیا تھا گھمسان
کی لڑائی شروع ہو گئی۔ ہندوؤں کو اپنے مست ہاتھیوں پر بڑا غرور تھا
مگر اہلِ عرب نے اپنی تلواروں سے ہاتھیوں کے منہ پھیر دیئے اور وہ
چیختے چنگھاڑتے اپنی ہی فوجوں کو روندتے ہوئے چلے گئے۔

داہر اور اس کا لشکر بڑی تن دہی سے لڑا آخر کار داہر مارا گیا
اور مسلمانوں کی فتح ہوئی باقی لشکر بھاگ کھڑا ہوا۔

پیارے بچّو! مُسلمانوں کے دلوں میں اس قدر شوق جہاد تھا کہ وُہ ہاتھیوں کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔ مسلمانوں نے سب سے پہلے ہاتھیوں ہی پر حملہ کیا اور ان کی سونڈوں کو اپنی تلواروں سے کاٹ ڈالا اور کُشتوں کے پُشتے لگا دِئے۔

اس جنگ کے بعد اہلِ ہند محمد بن قاسم سے بہت زیادہ ڈرنے لگے پھر کسی کو اس کے مقابلہ کی تاب نہ ہوئی وُہ جدھر جاتا فتح اُس کے قدم چُومتی اور ہندو عموماً بغیر لڑائی کے شہر اس کے حوالے کر دیتے۔ ملتان میں بھی اس کو اسی قسم کی شاندار فتح ہوئی۔ تھوڑے سے مقابلہ کے بعد غنیم نے ہتھیار ڈال دِیئے اور شہر فتح ہوگیا۔

سلطان صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ

سلطان صلاح الدین نہایت نیک دل بادشاہ تھا اس نے مسلمانوں کو تباہی سے بچایا۔ کوئی آٹھ سو سال گزرے کہ اس نے عیسائیوں کے ساتھ جہاد کیا۔ ملک شام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے بھی پہلے رومیوں کے قبضے میں تھا پھر قسطنطنیہ کا بادشاہ اس ملک پر قابض ہو گیا۔ جب عرب مسلمان ہو گئے تو انھوں نے شام کو فتح کر کے عربی حکومت میں شامل کر دیا۔ ایک عرصۂ دراز تک یہ ملک عرب سلطنت میں رہا، لیکن ان کی آپس کی لڑائیوں کی وجہ سے کچھ مقامات ان کے ہاتھوں سے نکل جاتے تھے اور دیگر اقوام کے قبضے میں آجاتے تھے۔

پہلی اور دوسری لڑائی جو مذہب کے نام پر عیسائیوں نے مسلمانوں سے لڑی اس کو صلیبی جنگ کہتے ہیں چونکہ عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے

کہ عیسیٰؑ کو سولی دے دی گئی۔ صلیب سُولی کو کہتے ہیں۔ یہ لوگ جنگ کے وقت صلیب کو سامنے رکھتے تھے اس لئے یہ جنگ صلیب کہلائی۔
عیسائی کہتے ہیں کہ عیسیٰؑ کو سُولی دینے کے بعد بیت المقدس میں دفن کر دیا گیا، یہ ملک شام کا شہر تھا اب فلسطین میں شامل ہے لہٰذا یہ مقام عیسائیوں کے لئے ایک مقدّس مقام ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک بھی یہ ایک برگزیدہ مقام ہے کیونکہ یہاں حضرت داؤد وسلیمان علیہما السّلام کی یادگاریں ہیں اور یہ ایک عرصہ تک مسلمانوں کا قبلہ بھی رہا ہے۔
جب پہلی اور دوسری لڑائی کے بعد تیسری صلیبی جنگ شروع ہوئی تو مسلمان آپس کی لڑائیوں کی وجہ سے بہت کمزور ہو چکے تھے حتیٰ کہ یہ خطرہ تھا کہ کہیں عیسائی پورے ملک شام پر قابض نہ ہو جائیں۔
مسلمان لڑائی سے اُکتا گئے تھے۔ اس دور میں صلاح الدّین مصر کا بادشاہ تھا وُہ مسلمانوں کو بچانے کے لئے اپنے چند ہزار غیر مسلم سپاہی لے کر یورپ کے عیسائیوں کی دو تین لاکھ فوج کے مقابلے میں آ ڈٹا اور عیسائیوں کو پے در پے شکستیں دیتا رہا۔ اُس نے تمام مفتوحہ شہران سے واپس لے لئے یہاں تک کہ بیت المقدس بھی اُن سے واپس لے لیا۔ فتح کے بعد سلطان نے عیسائیوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا، اُس نے غریب عیسائیوں کو بغیر زرِ فدیہ لئے

رہا کر دیا اور بہت سے لوگوں کا فدیہ اپنی جیب خاص سے دیا تقریباً دس ہزار قیدیوں کا زرِ فدیہ اس نے اور سات ہزار کا زرِ فدیہ اس کے بھائی نے دیا۔

سلطان بہت عدل پرست انسان تھا۔ ایک دفعہ کسی شخص نے اُس کے بھائی پر مقدمہ چلایا تو اُس نے بھائی کے ساتھ بھی عام مجرموں کا سا سلوک کیا۔

سلطان کی فوج اس سے بہت محبت کرتی تھی کیونکہ اُس نے کبھی بھی مال و دولت سے محبت نہیں کی وہ بہت سخی انسان تھا۔ جب وہ دُنیا سے رخصت ہوا تو اس کے پاس صرف ایک دینار تھا، اگر وہ چاہتا تو بہت دولت جمع کر لیتا لیکن اس نے کبھی ایسا نہیں کیا۔

سلطان نے اپنی سلطنت کا نظام بہت اچھا رکھا اسکی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ اس کی رعایا چین آرام سے رہے، فتنہ فساد اور لڑائی جھگڑا نہ ہو اور ہر طرف امن دامان رہے۔

یہ تھا وہ مخلص مسلمان بادشاہ جس نے اخلاق کا ایسا نمونہ پیش کیا جو دنیا کی تاریخ میں یادگار رہے گا جس کے حسن خلق کو اُس کے دشمنوں نے بھی تسلیم کیا ہے، حتیٰ کہ رچرڈ شاہِ انگلستان بھی اسے شریف دشمن کہا کرتا تھا۔

عبدالرحمان ثالث رحمۃ اللہ علیہ

ثالث کے معنی عربی زبان میں تیسرے کے ہیں چونکہ اس سے پہلے دو عبدالرحمان گزر چکے تھے۔ اس لئے اُسے عبدالرحمان ثالث کہا کرتے تھے۔ اس کو عبدالرحمان الناصر بھی کہا جاتا ہے۔

عبدالرحمان ثالث ہسپانیہ کا بادشاہ تھا، ہسپانیہ یورپ کے جنوب اور مغرب میں واقع ہے۔ یہ ملک جزیرہ نما ہے اس کی بری سرحد شمال اور مشرق کے گوشہ میں فرانس سے ملتی ہے جہاں پرینیز پہاڑ دونوں ملکوں کے بیچ میں واقع ہے۔ دکن کی طرف چودہ میل چوڑا سمندر ہے پھر برِاعظم افریقہ شروع ہو جاتا ہے۔

قرطبہ، اشبیلیہ اور غرناطہ ہسپانیہ کے بڑے شہر ہیں۔ ان شہروں کو مسلمانوں نے آباد کیا اور زیب و زینت دی، اہلِ عرب اس ملک کو اندلس کہتے تھے۔

۹۱۲ء میں عبداللہ کا پوتا عبدالرحمان ثالث تخت پر بیٹھا اس دور میں اندلس کی حکومت صرف قرطبہ اور اس کے آس پاس کے علاقے تک محدود رہ گئی تھی۔ عبدالرحمان نے نہایت جرأت سے کام کیا اور تمام چھینے ہوئے علاقے دشمن سے واپس لے لئے۔ خود مختار ریاستوں کو ختم کر دیا اور اندلس کو بہت مضبوط اور وسیع ملک بنا دیا۔

عیسائیوں نے سرحدوں پر بڑی گڑبڑ کر رکھی تھی وہ باغیوں کی مدد کرتے تھے لہذا عبدالرحمان نے ان پر چڑھائی کی۔ جن لوگوں نے اطاعت قبول کی ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور جو بغاوت سے باز نہ آئے ان کو بالکل ختم کر دیا۔

۹۲۹ء میں عبدالرحمان ثالث نے الناصر الدین اللہ کا لقب اختیار کیا۔ بحیثیت خلیفہ کے جمعے کے خطبوں میں اس کا نام لیا جانے لگا۔ اس کے زمانے میں رعایا خوش حالی کی زندگی بسر کرتی۔ زراعت۔ تجارت اور صنعت و حرفت نے بہت ترقی کی۔ اندلس دنیا کے مشہور طاقت ور دولت مند ملکوں میں شمار ہونے لگا اور اتنا طاقت ور ہو گیا کہ یورپ کے بڑے بڑے ملک اس کی دوستی کے خواہش مند ہو گئے۔

قرطبہ اس زمانے میں بہت بڑا شہر تھا۔ یہ شہر چوبیس میل لمبا اور چھ میل چوڑا تھا، آبادی دس لاکھ تھی۔ اس میں تقریباً تین ہزار آٹھ سو مسجدیں، دو لاکھ مکان، سات سو حمام اور اسّی ہزار دکانیں تھیں۔ اس شہر میں علم و فن کا بڑا چرچا تھا اور کاریگری کی کوئی حد ہی نہ تھی، آئے دن چیزوں کی نمائیش ہوتی رہتی اور دنگل وغیرہ ہوتے رہتے تھے۔

الناصر کی محبوب بیوی الزہرا تھی اُس نے بیوی کے لیے قرطبہ سے چار میل دور ایک عالی شان محل سنگ مرمر کا بنوایا اور اس کا نام الزّہرا رکھا، اس محل میں ایک شاندار باغ بنوایا اور اس میں ہر قسم کے پرند جمع کیے، محلوں اور باغوں کا یہ شہر الزّہرا کے نام سے مشہور ہوا۔

عبدالرحمان نے پچاس سال حکومت کی، وُہ بڑا نیک دل بادشاہ تھا۔ ہمیشہ عدل و انصاف کو مدِّ نظر رکھتا۔ اس کے زمانے میں یورپ سے بڑے بڑے لوگ آتے تھے اور علم و فن حاصل کر کے اپنے ملک کو واپس چلے جاتے تھے ۹۶۱ء میں اس کا انتقال ہوا۔

ٹیپو سلطان رحمۃ اللہ علیہ

سُلطان کا اصلی نام فتح علی تھا۔ ٹیپو اس کا لقب ہے جس کے معنی شیر کے ہیں۔ ٹیپو کے باپ کا نام حیدر علی تھا۔ ماں کا نام بی بی عرف فخرالنساء تھا۔ ٹیپو ۱۷۵۱ء میں پیدا ہوا اس کے باپ نے سلطنت میسور حاصل کر لی تھی۔ جب وہ سولہ برس کا ہوا تو اس زمانے میں حیدر علی اور انگریزوں کے درمیان میسور کی پہلی جنگ ہو رہی تھی۔ لہٰذا حیدر علی نے اس جنگ پر اپنے بیٹے ٹیپو کو بھیجا اور خود اس کے پیچھے اس کی کمک کے لئے روانہ ہوا۔ سلطان نے منگلور فتح کر لیا۔ اس کے بعد اس جنگ میں جب حیدر علی نے مدراس پر چڑھائی کی تو سلطان اس فوج کی کمان کر رہا تھا اس لڑائی کا خاتمہ مدراس کے صلح نامہ ۱۷۶۹ء پر ہو گیا۔

۱۷۷۱ء سے ۱۷۷۲ء تک مادھو راؤ پیشوا نے جو مرہٹوں

کا سردار تھا میسور پر چڑھائی کر دی اور دو سال تک دونوں فریقوں میں سخت لڑائیاں رہیں ۔ اِن تمام لڑائیوں میں سلطان شامل رہا۔ ۱۷۷۴ء میں اس نے ایک ہی دن میں دو شادیاں کیں ایک شادی ماں کی پسند سے خاندان میں کی اور دوسری اپنی پسند سے ۔

میسور کی دوسری جنگ جو حیدر علی اور انگریزوں کے درمیان ۱۷۸۰ء میں ہوئی ۔ ٹیپو کبھی تنہا اور کبھی باپ کے ساتھ دو سال تک ان مختلف لڑائیوں میں شریک رہا۔ اس دو سال کے عرصہ میں انگریزوں کے سرداروں یعنی کرنل لیانگ، کرنل بریتھ ویٹ ، کرنل بیلی اور سر آئر کوٹ کو اس نے پے در پے شکستیں دیں ۔

دسمبر ۱۷۸۲ء میں حیدر علی کا انتقال ہو گیا اور ٹیپو تخت سلطنت پر بیٹھا ۔ اس نے اس دوسری جنگِ میسور کو جاری رکھا اور انگریزوں کو برابر شکستیں دیتا رہا، اُس نے انگریزوں کو اس قدر شکستیں دیں کہ وہ تنگ آ گئے ۔ اور بالآخر انھوں نے ۱۷۸۴ء میں صلحنامۂ منگلور کر لیا۔

جب سلطان تختِ سلطنت پر بیٹھا تو اُس کی عمر تیس سال کی تھی۔ سُلطان نے حکومت سنبھالنے کے بعد نہ صرف لڑائی جاری رکھی بلکہ ملک میں اصلاحات بھی شروع کر دیں، صلح نامہ منگلور کے چند دن بعد نظام حیدر آباد اور مرہٹوں نے مل کر اُس پر حملہ کر دیا۔ سلطان اپنے

ہم وطنوں اور مسلمانوں سے لڑنا نہ چاہتا تھا لہٰذا اُس نے صلح صفائی کی بہت کوشش کی مگر نظام حیدرآباد اور مرہٹے انگریزوں کے بہکائے ہوئے تھے وہ کسی طرح باز نہ آئے۔ مجبوراً سلطان کو اُن کے ساتھ لڑنا پڑا۔ دو سال تک لڑائی جاری رہی۔ شاہ نور کے پاس آخری لڑائی ہوئی، جس میں نظام حیدرآباد اور مرہٹوں کو ایسی شکست ہوئی کہ انھیں پھر کبھی سلطان پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

دسمبر ۱۷۸۹ء میں انگریزوں کے گورنر جنرل لارڈ کارنوالس نے خواہ مخواہ جنگ چھیڑ دی۔ ٹیپو سلطان نے اسے برابر شکست پر شکست دی۔ مگر انگریزوں نے اچانک تین طرف سے حملہ کر دیا۔ سلطان کو اس امر کی اطلاع ہونے تک کئی مقامات پر انھوں نے قبضہ کر لیا مگر ٹیپو سلطان نے انھیں مار مار کر اپنی سلطنت سے باہر نکال دیا۔

لارڈ کارنوالس کو معلوم ہوا کہ انگریزوں کو شکست ہو گئی ہے تو وہ کلکتہ سے آیا اور نظام حیدرآباد اور مرہٹوں کو اپنے ساتھ ملا لیا پھر بھی اُسے توقع نہ تھی کہ سلطان کو قابو میں کر سکے گا لہٰذا اُس نے ایک کمیشن مقرر کیا اس کا نگراں کرنل ریڈ تھا۔ اس کمیشن نے سلطان کے امیروں وزیروں سے سازشیں کرنا شروع کر دیں۔ سلطان کے نمک حرام

سردار انگریزوں سے مل گئے اور اُسے شکست دلا دی لڑائی کے بعد صُلح ہوگئی اور سلطان کے پاس صرف آدھی سلطنت رہ گئی۔

ٹیپو سلطان کب خاموش بیٹھنے والا تھا اُس نے سات سال کے اندر اندر پھر بڑی بھاری فوج مرتب کر لی۔ انگریزوں کو خطرہ ہُوا کہ کہیں ہم سے جنگ نہ کر بیٹھے لہٰذا انھوں نے جنگ چھیڑنے کا ایک بہانہ تلاش کیا اور کہا سُلطان فرانس سے تعلقات قائم نہ کرے سلطان نے یہ بات نہ مانی لہٰذا انگریزوں نے جنگ چھیڑ دی مگر پھر وہی چال چلی یعنی اس کے امراء وزراء سے سازباز کی۔ اس دور میں صادق وزیر تھا اس نے سلطان سے انگریزوں کے حملہ کرنے اور دار السلطنت تک پہونچ جانے کی خبر کو چھپائے رکھا جب انگریزی فوج نے قلعہ کو آ کر گھیر لیا اور اندر داخل ہوگئی تو سلطان کو صادق کی نمک حرامی کا علم ہُوا۔ وُہ تلوار لے کر فوج پر حملہ آور ہُوا اور لڑتے لڑتے جان دے دی ——— سلطان یہ چاہتا تھا کہ ہندوستان پر ہندوستانیوں ہی کی حکومت رہے۔ ملک بیرونی اقتدار کے ماتحت نہ آئے مگر نظام کی خودسری اور صادق کی غداری سے یہ مخلص مجاہد تیغ دشمن کی نذر ہوگیا ——— سلطان یہ بھی چاہتا تھا کہ ایک مضبوط اسلامی سلطنت قائم کرے مگر اس کے امراء نے ایسا نہ ہونے دیا۔ خدا ایسے دوستوں سے بچائے اور ایسے غدار مسلمانوں سے پناہ میں رکھے ؂

سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت عبدالقادر جیلانی ۴۷۱ھ گیلان میں تولد ہوئے ۵۶۲ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۹۱ سال کی تھی۔ نام عبدالقادر اور کنیت ابو صالح تھی۔ والدہ کی طرف سے آپ کا رشتہ حضرت امام حسینؓ سے اور والد کی طرف سے حضرت امام حسنؓ سے ملتا ہے اِس لئے آپ کا رشتہ سلسلۂ الذہب یعنی سونے کی لڑی کا رشتہ کہلاتا ہے۔

آپ تمام اولیاء اللہ کے سردار ہیں۔ بچپن ہی سے سچ بولنے کے عادی تھے۔ آپ کی والدہ بڑی عابدہ زاہدہ عورت تھیں۔ انھوں نے آپ کو سچ بولنے کی تاکید کی تھی۔ جب آپ تعلیم حاصل کرنے کے لئے گیلان سے بغداد گئے تو آپ کی والدہ ماجدہ نے کچھ اشرفیاں آپ کی بغل میں سی دیں اور نصیحت کی بیٹا کبھی جھوٹ نہ بولنا خواہ

جان جاتی رہے۔

اُس زمانے میں نہ ریل گاڑی تھی نہ موٹر۔ لوگ قافلوں کی صورت میں سفر کیا کرتے تھے، اکثر چور ڈاکو قافلہ لوٹ لیتے تھے اس لئے ہر وقت جان و مال کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ آپ جس قافلے کے ساتھ سفر کر رہے تھے ڈاکوؤں نے اُسے آگھیرا اور سارا سامان لوٹ لیا۔ ایک ڈاکو آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا لڑکے بتا تیرے پاس کیا ہے۔ آپ نے فرمایا میری بغل میں اشرفیاں سلی ہوئی ہیں۔ کوئی اور ہوتا تو نہ بتاتا مگر آپ کو والدہ کی نصیحت یاد آگئی اور آپ نے سچ سچ کہہ دیا۔ ڈاکو نے دیکھا تو واقعی اشرفیاں موجود تھیں۔ وہ آپ کی سچائی کو دیکھ کر حیران رہ گیا اور اپنے سردار کے پاس لے گیا۔ ڈاکوؤں کے سردار نے جو آپ کی سچائی کا حال سُنا تو بہت شرمایا اُس نے اپنے گناہوں سے توبہ کر لی اور پورے قافلے کا سامان واپس کر دیا۔

ایک دفعہ آپ کے سامنے ایک روشن چیز ظاہر ہوئی پھر وہ روشنی تمام آسمان پر چھا گئی۔ پھر آپ کے قریب آئی اور کہنے لگی اے عبدالقادر میں تیرا رب ہوں تمام حرام چیزیں تیرے لئے حلال ہیں۔ آپ سمجھ گئے کہ یہ شیطان ہے لہٰذا آپ نے اُسے لعنت کی تو وہ نور تاریکی سے بدل گیا اور آواز آئی اے عبدالقادر تجھے

تیری علمیت نے بچا لیا تو میرے فریب میں نہ آسکا ورنہ میں نے بڑے بڑے زاہدوں کو دھوکے دیئے ہیں۔

آپ نے پھر بھی غرور سے کام نہ لیا اور فرمایا تو جھوٹا ہے مجھے میرے علم نے نہیں بچایا مجھے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم نے بچایا ہے ورنہ کیا میں اور کیا میرا علم۔

یہ سنتے ہی شیطان غائب ہو گیا۔ آپ سے بہت سی کرامات کا ظہور ہوا ہے، مسلمان تو مسلمان، یہودی اور عیسائی بھی آپ کے معتقد تھے اور تمام اہلِ بغداد نے آپ کے جنازے میں شرکت کی اور آپ کے مرنے پر بڑا افسوس کیا۔ بادشاہِ وقت بھی آپ کا بے حد احترام کرتا تھا۔ آپ کا روحانی سلسلہ، قادریہ سلسلہ کے نام سے مشہور ہے۔ سینکڑوں کافر آپ کے دستِ مبارک پر اسلام لائے اور ہزاروں فاسق فاجر پرہیزگار مسلمان بنے۔

خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت معین الدین اجمیریؒ کو خواجہ غریب نواز بھی کہتے ہیں۔ آپ ۵۳۷ھ میں بمقام سنجر پیدا ہوئے۔ باپ کا نام غیاث الدین تھا۔ یہ سید زادے تھے اور دنیوی و دینی دولت سے مالا مال تھے لہذا تمام لوگ ان کی عزت کرتے تھے۔

خواجہ صاحب نے والد ماجد کی نگرانی میں تربیت پائی۔ وہ گیارہ سال کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، ایک باغ اور ایک پن چکی آپ کو ورثہ میں ملی، اُس سے گزر بسر کرتے تھے۔

ایک دن آپ اپنے باغ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ابراہیم مجذوب آئے۔ آپ نے اُن کی تعظیم کی اور انگوروں کا گچھا پیش کیا۔ انھوں نے انگور کھا کر تھوڑا سا پھوک انھیں دیا، اس کا کھانا تھا کہ خواجہ کو دنیا سے نفرت ہو گئی۔ سب کچھ بیچ کر راہِ خدا میں گھر سے نکل پڑے

اور سمرقند پہونچے، یہاں سے علم دین حاصل کر کے بغداد چلے گئے۔ بغداد سے نیشاپور پہونچے اور خواجہ عثمان ہارون کے مرید ہو گئے۔ بیس سال تک ان کی خدمت کرتے رہے، کئی حج کئے اور سخت ترین ریاضتیں کیں۔

خواجہ نے انھیں حکم دیا کہ ہندوستان چلے جائیں۔ آپ لاہور پہونچے دو ماہ تک حضرت داتا گنج بخش رح کے مزار پر رہے پھر دلی تشریف لے گئے وہاں سے اجمیر پہونچے، یہاں کے لوگوں نے آپ کو سخت ایذائیں پہونچائیں بالآخر آپ کی کرامات دیکھ کر شرمندہ ہوئے مگر اجمیر کا راجہ پرتھوی راج آپ کی مقبولیت کو نہ دیکھ سکا۔ اُس نے حکم دیا کہ خواجہ کو اجمیر سے نکال دیا جائے۔ خواجہ نے اس کے حق میں بد دُعا کی اور وُہ شہاب الدین غوری کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ اب خواجہ اطمینان سے اجمیر میں رہنے لگے اور اسلام کی تبلیغ کرنے لگے۔ بہت سے لوگ ان کے ہاتھوں پر اسلام لائے۔

آپ بڑی سادہ زندگی گزارتے تھے، بڑے نرم خلق تھے، آپ کی ایک ہی نظر میں بڑے بڑے مجرم گناہوں سے توبہ کر لیتے تھے اور متقی پرہیزگار انسان بن جاتے تھے۔

۶ رجب ۱۲۳۶ء آپ کا اجمیر میں انتقال ہوا۔ آج تک ان

کا عرس اجمیر شریف میں بڑی شان و شوکت سے منایا جاتا ہے جس
میں لاکھوں آدمی شریک ہوتے ہیں۔

وفات سے پہلے آپ نے حضرت خواجہ بختیار کاکی کو اپنا خلیفہ
نامزد کیا اور تمام تبرکات جو سلسلہ بہ سلسلہ اُن تک پہونچے تھے
ان کے حوالہ کئے اور دہلی جانے کا حکم دیا۔

آپ فرمایا کرتے تھے۔

جس شخص میں دریا کی سی سخاوت، سورج کی سی شفقت اور زمین
کی سی عاجزی ہو، جان لو کہ خدا اُسے دوست رکھتا ہے۔

نیز فرماتے ہیں۔ درویش وُہ ہے جس کے پاس کوئی ضرورت
مند جائے تو محروم نہ لوٹے۔

آپ کا ارشاد ہے کہ نیک کاموں سے بہتر نیک آدمیوں کی صحبت
ہے۔ اور بُرے کاموں سے بدتر بُرے آدمیوں کی صحبت ہے۔

فرماتے ہیں عارف وُہ ہے جو موت کو دوست رکھے، آرام کو
چھوڑ دے، اور مولیٰ کو یاد کرتا رہے ؛

شاہ عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ عبداللطیف سندھی بہت بڑے صوفی تھے۔ ۱۶۸۹ء میں پیدا ہوئے۔ اس دور میں اورنگ زیب عالمگیر ہندوستان کا بادشاہ تھا۔ ۱۷۵۲ء میں وہ فوت ہو گئے جبکہ ان کی عمر ۶۳ سال کی تھی۔ اس زمانے میں کوئی پانچ سال پہلے احمد شاہ دُرّانی نے دہلی کی کمزور سلطنت پر حملہ کر کے سندھ کو کابل کی حکومت کے ماتحت کر دیا تھا۔ ہالا حویلی جو مٹیاری کے پاس ایک مقام ہے وہاں پیدا ہوئے۔ پھر ان کے والد ماجد کوٹڑی میں جا کر رہنے لگے جو ہالا کے قریب ہے۔

ان کا بچپن ہالا حویلی میں گزرا اور جوانی کوٹڑی میں، چند سال وہ کوٹڑی ہی میں رہے۔ اس زمانے میں ان میں دو باتیں تھیں ایک تو یہ کہ وہ صوفی بزرگوں کے پاس بیٹھا کرتے تھے اور دوسرے یہ کہ خدا کی عبادت بہت زیادہ کیا کرتے تھے۔ وہ بڑے سادہ طبیعت تھے۔

کھانے، پہننے، رہنے سہنے میں سادگی پسند تھے۔ جب کبھی بھی وہ کسی جان دار کو کسی تکلیف میں مبتلا دیکھتے تو ان کا دل تڑپ جاتا اور جس طرح ہوتا اس کے دکھ درد کو دُور کرتے۔

شاہ صاحب علوی سیّد تھے اور لوگ ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ انھوں نے صوفیانہ خیالات سندھی زبان میں نظم کئے ہیں۔ ان کے شعر لوگوں کو بہت پسند آئے اور وُہ ان کے مرید ہو گئے۔

شاہ صاحب دنیا سے بے رغبت ہو گئے اور گھر بار چھوڑ کر بھٹ چلے گئے۔ وہاں انھوں نے اپنے ہاتھوں سے ایک چھوٹا سا مکان بنایا اس مکان کے اردگرد ایک چھوٹی سی لبستی آباد ہو گئی جو آج کل ریلوے اسٹیشن ہے۔ سندھی زبان میں بھٹ ریت کے ٹیلے کو کہتے ہیں، شاہ صاحب کا یہیں انتقال ہوُا۔ غلام شاہ کلہوڑے نے ان کا مزار نہایت عالی شان بنوایا یہ مزار اب تک قائم ہے، جہاں ہر سال بہت بڑا عرس لگتا ہے اور لاکھوں آدمی شرکت کرتے ہیں۔

ان کے اشعار کی یہ خصوصیت ہے کہ ہر مذہب و ملّت کے پیروکار ان کے کلام کو بڑے شوق سے پڑھتے پڑھاتے ہیں۔ ان کے مزار پر ہندو، پارسی، عیسائی، مسلمان غرض ہر مذہب والے آتے جاتے ہیں۔ انھوں نے اپنی نظموں میں کہانیاں بھی لکھی ہیں جو بہت ہی

دل چسپ ہیں ۔ ایک جگہ انھوں نے ایک گیت میں لکھا ہے ۔

میرے پیارے کی پیشانی سے نیکی کا نور چمکتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مجھ جیسے بڑے آدمی کے پاس آنے سے نہیں رُکتا ۔ اسی لیئے میں اپنے دوستوں سے کہتا ہوں کہ چاند سُورج میرے پیارے کے برابر نہیں ہیں کیونکہ ان میں حُسن تو ہے پر نیکی نہیں ہے ۔

اے چاند تو میرے پیارے کی برابری کرتا ہے میں تجھے للکارتا ہوں تو چودھویں رات کو جتنا چاہے سنگھار کرلے ۔ ساری عُمر کی خوبیاں اکھٹی کر لے لیکن میرے پیارے کی ایک جھلک کی برابری نہیں کر سکتا ، تو اور تجھ جیسے ایک سو سُورج بھی نکل آئیں تو پھر بھی میرے پیارے کے بغیر میرے لیئے دنیا میں اندھیرا ہی رہے گا ، جا نیچے کو اُتر جا ، میں تیری روشنی میں اپنے پیارے سے ملنا نہیں چاہتا ۔

وہ میرے دل میں درد اُٹھا کر چلے گئے ، مجھے یہ درد اس لئے پیارا ہے کہ میرے محبوب کا دیا ہوُا ہے ، مجھے حکیموں کی آواز بُری لگتی ہے ، مجھے ان کے پاس بیٹھنا بھی اچھا نہیں لگتا ۔ اس لئے کہ میرے نزدیک سب سے پیارا میرے دوست کا دیا ہوُا درد ہے ۔

گاؤں کی زندگی کا نقشہ انھوں نے خوب کھینچا ہے۔
شادیاں ہوتی ہیں، لوگ جمع ہوتے ہیں۔ گانے بجانے ہوتے ہیں گویا اپنے ساز کو طرح طرح بجاتا ہے اور اس پر اپنے راگ گاتا ہے۔ ہر طرف فقیر گھوم رہے ہیں لوگ ان سے مرادیں مانگتے ہیں اور اپنے پیارے سے بچھڑی ہوئی دُلھن کڑکڑاتے جاڑے کی تاریک رات میں دروازے سے لگی صبح کی باٹ دیکھ رہی ہے کیونکہ اس کا خاوند صبح کو آنے والا ہے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ

سعدی شیرازی ایران کے ایک مشہور شہر شیراز میں پیدا ہوئے۔ مصلح الدین نام اور سعدی تخلص ہے۔ آپ کے دور میں ایران کا بادشاہ سعد الدین زنگی تھا۔ والد ماجد بادشاہ کے ہاں ملازم تھے۔ اس مناسبت سے آپ نے سعدی تخلص اختیار کیا۔

آپ کے والد کا نام عبد اللہ تھا وہ بہت دین دار بزرگ تھے۔ انھوں نے شیخ کو حسب دستور مذہبی تعلیم دلائی اور ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا۔ باپ کے انتقال کے بعد وہ چچا کی خدمت میں رہے۔ ان کی والدہ بھی بڑی پاک باز عورت تھیں۔ ان دو بزرگوں کی صحبت سے سعدی بچپن ہی سے نیک اطوار رہے۔

اس زمانے میں ایک بزرگ مصلح الدین تھے۔ سعدی کے والد نے انھیں شیخ کی خدمت میں بھیجا۔ شیخ نے ان سے کسب فیض کیا

پھر تحصیلِ علم کے لئے بغداد گئے۔ شیخ بالکل خالی ہاتھ تھے۔ مدرسہ نظامیہ میں داخل ہو گئے۔ اُستادوں نے دیکھا کہ لڑکا ہونہار ہے۔ تو وہ ان کی طرف خاص توجہ دینے لگے اور مدرسہ کے نگراں نے ان کا وظیفہ مقرر کر دیا۔

۱۱۹۶ء میں وہ مدرسہ نظامیہ میں داخل ہوئے۔ تیس سال تک تحصیلِ علم کرتے رہے۔ دستارِ فضیلت حاصل کرنے کے بعد وہاں سے رخصت ہوئے وہ وہاں کافی مشہور ہو چکے تھے۔

کہتے ہیں کہ شیخ کی عمر ۱۲۰ سال ہوئی، تیس سال تحصیلِ علم میں مشغول رہے، تیس سال سیاحت کی اور تیس سال عبادتِ خداوندی میں گزارے کیا ہی اچھی عمر ہے جو اس طرح گزرے۔

سعدی نے روم، شام، مصر، عراق، ایران کی سیاحت کی اس کے علاوہ ہندوستان بھی آئے۔ وہ بڑے اچھے شاعر کے دُنیا کی بہت سی مشہور زبانوں میں ان کے کلام کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ ان کی دو کتابیں گلستان اور بوستان تو بہت ہی مشہورِ عالم ہیں اور اب تک مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہیں۔ شیخ کے نام سے پاکستان و ہندوستان کا بچہ بچہ آشنا ہے جاہل اور عالم سبھی انھیں جانتے ہیں۔ ان کے مقولے دُنیا میں مشہور ہیں۔ یورپ کی تمام زبانوں میں ان کے کلام کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

شیخ نے چونکہ کئی ملکوں کی سیاحت کی تھی۔ اس لئے ان کی باتیں بہت آزمودہ ہوتی ہیں۔ ان کا کلام اچھی اچھی نصیحتوں پر شامل ہوتا ہے طبیعت کے بہت ظریف تھے۔ مگر بہت جفاکش اور مستقل مزاج تھے، کلام میں ظرافت بہت زیادہ پائی جاتی ہے۔

شیخ دنیوی زر و مال، جاہ و عزت کو کچھ بھی نہ سمجھتے تھے ورنہ بڑے بڑے بادشاہ ان کی قدردانی کے لئے تیار تھے۔ وہ امراء سے دُور بھاگتے تھے۔ بہت ہی منکسر المزاج تھے۔

شیخ کی گلستان کے مقابلہ میں بڑے بڑے شعراء نے کتابیں لکھیں۔ جن میں ملا جامی، خاقانی اور قاآنی جیسے لوگ بھی شامل ہیں مگر آج ان کی لکھی ہوئی کتابوں کے کوئی نام بھی نہیں جانتا اور شیخ گلستاں بوستاں کا نام ایک جاہل انساں بھی جانتا ہے۔

شیخ نظم و نثر دونوں خوب لکھتے ہیں بلکہ آپ کی نثر نظم سے بھی سبقت لے گئی ہے اور آپ کی نثر میں وہ لطف آتا ہے جو دوسروں کی نظم میں بھی نہیں آتا۔

کہتے ہیں کہ شیخ نے حضرت عبدالقادر جیلانی کے ساتھ پا پیادہ سات حج کئے اور جہاد بھی کیا وہ سیف و قلم دونوں کے ماہر تھے اور مسلمان سیاحوں میں نامور سیاح بھی ہیں +

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا لقب جلال الدین اور نام محمدؐ ہے، مولانائے روم معروف ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق سے سلسلۂ نسب ملتا ہے۔ آپ کے پدر بزرگوار بلخ میں رہتے تھے پھر نیشاپور منتقل ہوگئے اس وقت مولانا چھ سال کے تھے۔ آپ نے ہر قسم کے علوم سیکھے۔

آپ کی مثنوی مشہورِ عالم ہے۔ بہت اچھی صوفیانہ مثنوی ہے یہ مثنوی فارسی زبان میں ہے۔ مثنوی میں نہایت عمدہ نصائح بڑے دل چسپ پیرائے میں بیان کی گئی ہیں۔

آپ عربی مدرس تھے، فلسفہ کے اچھے اُستاد تھے، وعظ کہا کرتے تھے۔ مفتی بھی تھے۔ گانے سے آپ کو نفرت تھی حتیٰ کہ قوالی بھی نہیں سُنتے تھے۔

ایک روز مولانا اپنے گھر پر تھے۔ شاگرد اِدھر اُدھر جمع تھے۔ چاروں

طرف کتابیں دھری تھیں۔ ایک دن شمس تبریز جو مشہور مجذوب تھے، ادھر نکل آئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ پھر مولانا سے کتابوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دریافت کیا یہ کیا ہے، مولانا نے کہا یہ وہ چیز ہے جس کو تم نہیں جانتے۔ یہ کہنا تھا کہ تمام کتابوں میں آگ لگ گئی۔ مولانا نے کہا یہ کیا شمس تبریزی نے کہا یہ وہ ہے جسے تم نہیں جانتے۔

بات یہ تھی کہ شمس کو غیبی اشارہ ہوا تھا کہ روم جاؤ وہ اسی وقت چل کھڑے ہوئے۔ قونیہ پہونچے رات کا وقت تھا لہذا چاول فروشوں کی سرائے میں جا اترے، سرائے کے دروازے پر ایک بلند چبوترہ تھا اکثر بڑے بڑے لوگ وہاں آ بیٹھتے تھے۔ شمس بھی اسی چبوترے پر بیٹھا کرتے تھے۔ مولانا روم کو ان کے آنے کا حال معلوم ہوا تو وہ شمس سے ملنے کے لئے آئے۔ راستے میں لوگ مولانا کے قدم چومتے تھے۔ اسی عالم میں جب سرائے کے دروازے پر پہونچے۔ شمس سمجھ گئے کہ یہی وہ شخص ہے جس سے ملنے کا مجھے حکم ہوا ہے۔ دونوں بزرگوں کی ملاقات ہوئی اور دیر تک ایک دوسرے کو خاموشی سے دیکھتے رہے۔

شمس نے مولانا سے پوچھا کہ حضرت بایزید بسطامی کا کبھی تو یہ حال تھا کہ خربوزہ تمام عمر اس لئے نہیں کھایا کہ معلوم نہیں رسول اللہ

نے اُسے کس طرح کھایا تھا کبھی یہ عالم ہُوا کہ فرما گئے میری شان کس قدر بلند ہے حالانکہ آنحضرت اس قدر بزرگ ہوتے ہوئے بھی ستر بار استغفار کرتے تھے، اس کی کیا وجہ ہے؟

مولانا نے فرمایا کہ اگرچہ بایزید بہت بزرگ تھے لیکن وہ ولایت کے ایک خاص درجے پر ٹھہر گئے تھے اور اس درجے کی بڑائی سے وُہ ایسے الفاظ کہہ دیتے تھے۔ اس کے برخلاف رسُول اللہ خدا کی نزدیکی کے سارے مراتب طے کر چکے تھے جب بھی کوئی بلند مرتبہ پاتے تو پہلا درجہ اتنا نیچے دیکھتے کہ اس سے توبہ کرتے تھے۔

شمس سے ملاقات کے بعد مولانا کی حالت بدل گئی پہلے قوالی نہیں سُنتے تھے۔ پھر قوالی سُننے لگے اب قوالی کے بغیر چین ہی نہیں پڑتا تھا۔ پہلے درس دیتے اور وعظ کہتے تھے۔ اب سب کام چھوڑ دیئے تھے اور حضرت شمس کی خدمت میں رہنے لگے تھے۔

مولانا نے اس دور میں بڑے عمدہ اشعار لکھے ہیں۔ اُن کی مثنوی بہت پسند کی جاتی ہے۔ ان کی غزلیں بھی اچھی ہیں۔ مگر شہرت مثنوی کی بدولت ہے۔ مثنوی کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے اور بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ اردو میں نظم و نثر

میں کئی تراجم ہو چکے ہیں۔ وہ بڑے مذہبی رہنما اور صوفی مشرب انسان تھے۔ اقبالؔ نے زیادہ تر انھی سے فیض حاصل کیا ہے اقبالؔ مولانا روم کے بہت زیادہ معتقد تھے۔

مولانا روم نے بڑے سخت مجاہدات کیے۔ کہتے ہیں۔ کئی سال تک سوئے نہیں صرف بیٹھے بیٹھے اُونگھ لیتے تھے اور کئی سال تک معمولی کھانا کھایا، اتنا کہ بس جس سے زندگی قائم رہ سکے۔ انھوں نے رات دن اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔

۵ جمادی الثانی بروز یکشنبہ ۶۷۲ھ میں ان کا انتقال ہوا آپ کے انتقال کا لوگوں کو بڑا صدمہ ہوا۔ غیر مذہب والے بھی آپ کے بڑے معتقد تھے

مولانا کی مثنوی بڑے آسان پیرایہ میں ہے کہ ہر شخص اسے آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے۔ طرزِ بیان نہایت عمدہ اور تشبیہات و استعارات بہت اچھے ہیں۔ ہر بات کو حکایت کے طرز میں ادا کرنے میں کمال رکھتے ہیں۔ ان کی حکایتیں بہت دل چسپ اور بڑی سبق آموز ہوتی ہیں

عزیز بچو! جب تم بڑے ہو جاؤ اور فارسی زبان سیکھ لو تو ان کی مثنوی کا ضرور مطالعہ کرنا اس سے تمھیں بے حد فائدہ پہونچے گا۔

فردوسی

فارسی کے مشہور شعراء فردوسی بھی ہے ۔ ایران کے ایک پُرانے شہر طوس میں پیدا ہُوا ۔ جب فردوسی پیدا ہُوا تو اُس کے باپ نے خواب میں دیکھا کہ نوزائیدہ بچّے نے کوٹھے پر چڑھ کر نعرہ بلند کیا اور ہر طرف سے لبّیک کی آوازیں آئیں ۔ اُس زمانے میں نجیب الدّین بڑے بزرگ اور تعبیر گو تھے ۔ ان کا باپ ان کے پاس گیا اور خواب بیان کیا تو انھوں نے کہا کہ تمھارا لڑکا شاعر ہوگا اور تمام دُنیا میں اُس کی شہرت ہوگی ۔

فردوسی جب بڑا ہوگیا تو اس نے تحصیل علم کی طرف توجہ کی اور اچھی قابلیت پیدا کرلی ۔ فردوسی ایران اور ایرانیوں سے بے حد محبّت کرتا تھا ۔ اسلام سے پیشتر ایران میں بہُت سے آتش پرست بادشاہ گزرے ہیں ۔ اسے شوق ہُوا کہ ان کا حال

نظم کرے۔ اس کے پاس ایک پرانی کتاب تھی جس میں گذشتہ بادشاہوں کے حالات لکھے تھے۔ یہ کتاب اس کے ایک دوست نے اُسے لا کر دی تو وُہ بہت خوش ہُوا اور اس نے شاہنامہ کے نام سے اپنی نظم شروع کر دی۔

شاہنامہ کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فردوسی بڑا بھاری شاعر تھا اِس کے کلام میں جوش، روانی، سلاست، فصاحت و بلاغت غرض سب کچھ ہے۔ وہ ہر بات بڑے موقعہ کی کہتا ہے۔

مسلمانوں نے ایران کے بادشاہ یزدجرد کو اسلام کی طرف دعوت دی تھی۔ اس واقعہ کے بیان میں فردوسی نے عربوں کا بڑی ذلت سے ذکر کیا ہے۔ جس کی بنا پر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اہلِ عرب کی اس کے دل میں وقعت نہ تھی، بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ فردوسی نے اپنی نہیں شاہِ ایران کی ذہنیت کی تصویر کشی کی ہے جو اس کا فرض تھا لہٰذا اس میں اس کا کوئی قصور نہیں۔ اس کے اُن دو شعروں کا ترجمہ ہم دیتے ہیں۔

اونٹنی کا دودھ پی کر اور گوہ کا گوشت کھا کھا کر اب عربوں کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ ایرانی تخت کی آرزو کرتے ہیں اے آسمان! تجھ پر لعنت!

فردوسی کے بعد جتنے بھی فارسی شعراء گزرے سب نے اُس کو بڑا بھاری اُستاد مانا اور اس کی تعریف کی اور لکھا ہے کہ ہم اس کی برابری نہیں کر سکتے۔

فردوسی کو اہلِ یورپ بھی مانتے ہیں۔ اس کے یونہی اشعار کا ترجمہ فرانسیسی انگریزی اور جرمنی زبان میں ہو چکا ہے اور اس پر بہت سی ضخیم کتابیں لکھی گئی ہیں۔

فردوسی آزاد مزاج تھا کسی کی بات نہیں سُن سکتا تھا۔ اس نے شاعری میں کمال پیدا کیا اور اس سے اس کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ اسے یونان کے شاعرِ اعظم ہومر سے تشبیہ دی جاتی ہے اور ایک کو دوسرے کے برابر سمجھا جاتا ہے۔

سلطان محمود نے اسے شاہنامہ نظم کرنے کی خدمت پر متعین کیا تھا اور فی شعر ایک دینار انعام ٹھیرا تھا مگر حاسدوں کی دراندازی کی وجہ سے وہ محروم رہا۔ اُس کی وفات کے بعد شاہی انعام پہونچا جس سے ایک سرائے اس کے نام پر تعمیر کر دی گئی ۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ

ایسا کون ہے جو ڈاکٹر اقبال رح کے نام سے واقف نہیں۔ دُور دُور ان کا شہرہ ہے کیا ایران کیا انگلستان سب انھیں بڑا شاعر اور فلسفی مانتے ہیں۔ انھوں نے اُردو اور فارسی شاعری کے ذریعہ سے جو پیغام عالم اسلام کو دیا ہے۔ سراسر صحیح اسلامی تعلیم اور قرآن و حدیث پر مبنی ہے۔

۱۹۴۰ء میں پاکستان کے بنانے کی جو تجویز مسلمانوں نے پیش کی تھی۔ وہ بھی ڈاکٹر صاحب کے غور و فکر کا نتیجہ تھی، ان کی یہ آرزو تھی کہ مسلمانوں کی ایک علیحدہ حکومت قائم ہو مگر افسوس ان کی زندگی میں یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

۱۸۷۵ء میں اقبال سیالکوٹ میں پیدا ہوئے اور وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ شمس العلماء مولوی میر حسن نے ان کی تربیت کی

انھوں نے بھانپ لیا تھا کہ اقبال اپنے دور کے مصلحین سے ہونگے لہٰذا انھوں نے آپ کو اسلامی رنگ میں رنگ دیا تھا۔

سیالکوٹ سے تعلیم پانے کے بعد وہ لاہور آئے اور گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم۔اے کی ڈگری کی پھر بغرضِ تعلیم انگلستان و جرمنی میں رہے اور وہاں سے پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی، اِسی لئے انھیں ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔

انھیں اسلام اور مسلمانوں سے بے حد محبت تھی اس لئے اسلامی تعلیمات کو انھوں نے خوبی کے ساتھ پھیلایا۔ مسلمانوں کو ان کی زبوں حالی سے آگاہ کیا۔ بزرگوں کے کارناموں کو یاد دلایا۔ قوم کا حوصلہ بلند کیا اور انھیں ایسی باتیں بتائیں جو ترقی کی راہ دکھاتی ہیں۔

ان کی سب سے پہلی تعلیم یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو پہچانے کیونکہ اللہ نے اس میں بہت سی قوتیں رکھی ہیں لہٰذا اسے خیالی باتوں میں نہ رہنا چاہیئے بلکہ زندگی کو عملی بنانا چاہیئے جو بھی صحیح راہ پر چل کر عمل کرے گا خدائے تعالیٰ ضرور اس کی مدد کرے گا اور وُہ کامیاب ہو جائے گا۔ انسان کو چاہیئے کہ اپنے اُوپر بھروسہ رکھے اور یقین و اعتماد کے ساتھ کام کرتا رہے اگر وہ اچھے کام کرے گا تو اُس

کی زندگی بھی اچھی رہے گی، اگر بُرے کام کرے گا تو زندگی بُری رہے گی۔

وہ اس قدر ذہین تھے کہ جب کبھی اُردو یا فارسی میں شعر کہتے تو بے تکلف شعر کہتے چلے جاتے۔ ان کے دوست ان اشعار کو لکھتے جاتے۔ اُن کی آواز بڑی سُریلی تھی، جب وُہ لَے کے ساتھ اشعار سُناتے تو لوگ جھُوم جھُوم جاتے تھے۔

حکومت برطانیہ نے انھیں سر کا خطاب عطا کیا تو انھوں نے کہا، میرے اُستاد مولوی میر حسن کو یہ خطاب دیا جائے کیونکہ انھوں نے ہی مجھے اس قابل بنایا ہے چنانچہ حکومت نے مولوی صاحب کو شمس العلماء کا خطاب دیا۔ وُہ اپنے اُستاد کا بہت زیادہ ادب کرتے تھے۔

ڈاکٹر صاحب کو رسُول اللہ سے بے حد محبت تھی۔ وُہ اسلام اور رسُول اللہ کے سچے عاشق تھے۔ اِن کی کتابیں تقریباً دُنیا کی تمام زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہیں۔

عمُر کے آخری حصے میں ان کی صحت کچھ خراب ہو گئی تھی اور وُہ بیمار رہنے لگے تھے بہُت کچھ علاج کیا گیا مگر آرام نہ ہُوا لہذا اپریل کی اکیسویں تاریخ ۱۹۳۸ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔ لاہور کی جامع مسجد کے نیچے ان کا مزار ہے۔

سر سیّد احمد خاںؒ

ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں کے مسلمان انہیں ہمیشہ یاد رکھیں گے کیونکہ یہی وہ مبارک ہستی ہے جس نے انگریزی تعلیم حاصل کرنے پر بہت زور دیا تھا اور لوگوں نے ان کی بہت مخالفت کی تھی مگر انھوں نے کسی کی پرواہ نہ کی، بالآخر اسی تعلیم سے مسلمان اس قابل ہوئے کہ وہ انگریزوں اور ہندوؤں سے اپنا حق منوا سکیں اور پاکستان بنا سکیں۔

وہ اُردو زبان کے بڑے بھاری ادیب تھے۔ انھوں نے اپنی قومی، ملکی، ملی اور تاریخی تحریروں سے ثابت کر دیا کہ اُردو زبان ہر قسم کے مطالبہ کو بآسانی ادا کر سکتی ہے۔ وہ نہ صرف ادیب ہی تھے بلکہ قوم کے سچے خادم بھی تھے۔

۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد جب مسلمانوں پر مصیبتوں کا پہاڑ

ٹوٹ پڑا اور ان کو باغی قرار دیا گیا تو انھوں نے ایک رسالہ بنام اسباب بغاوت ہند لکھا جس میں انھوں نے مسلمانوں کی ایسی خوبی سے طرف داری کی کہ انگریز جو مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے اور لاکھوں کو قتل کر چکے تھے اپنا ہاتھ روکنے پر مجبور ہو گئے۔

وہ اکتوبر سنہ ۱۸۱۴ء دہلی میں پیدا ہوئے ان کے والد کا نام میر تقی تھا۔ وہ تیر اندازی اور تیراکی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے یہ دونوں فن آپ نے اپنے باپ سے سیکھے۔ ان کی والدہ بڑی عقل مند عورت تھیں۔ دراصل ان کی تربیت میں زیادہ ہاتھ ان کی والدہ ہی کا تھا۔

آپ نے کلام مجید پڑھنے کے بعد فارسی اور عربی کی کتابیں پڑھیں پھر طبابت کا شوق پیدا ہوا کچھ دنوں ایک مطب میں کام کیا بعد ازاں وہ ملازم ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر ۱۵ سال کی تھی۔ وہ کلرک تھے مگر ترقی کرتے کرتے سب جج ہو کر پنشن لی۔ وہ مسلمانوں کی خستہ حالی دیکھ کر بہت رنجیدہ ہوتے تھے۔ اس لئے ایک دفعہ انھوں نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ یہاں سے ہجرت کر کے مصر چلے جائیں مگر پھر سوچا یہیں رہ کر کیوں نہ قوم کی خدمت کی جائے، یہ تو اچھی بات نہیں کہ کروڑوں مسلمانوں کو خستہ حالی میں چھوڑ کر خود دوسرے ملک میں جا کر عیش کی زندگی گزاریں لہٰذا یہیں رہ پڑے اور جس قدر بھی ہو سکا قوم کی

خدمت کرتے رہے۔ انھیں اس بات کی دھن تھی کہ مسلمانوں کے فائدے کے لئے کوئی ایسی بات سوچیں جس سے وہ شاہ راہِ ترقی پہ گامزن ہوں۔ آخرکار ان کے دماغ میں علی گڑھ کالج کے قیام کا خیال آیا اور انھوں نے انگریزی تعلیم کا شوق مسلمانوں میں پیدا کر کے چھوڑا۔ وہ ہر بات کے لئے انگریزی تعلیم حاصل کرنا ضروری سمجھتے تھے۔

ان کے پرچار سے مسلمان بڑے ذوق و شوق سے انگریزی پڑھنے لگے حالانکہ اس سے قبل وہ لوگ انگریزی تعلیم کے سخت مخالف تھے۔ آپ نے علی گڑھ کالج کے قیام کے لئے ہر جگہ سے چندہ اکٹھا کیا اور ایک عالی شان کالج کی بنیاد رکھ دی جو بعد ازاں یونیورسٹی میں تبدیل ہو گیا — اس کالج اور یونیورسٹی سے ہزاروں مسلمان بی اے ایم اے پاس کر کے نکلے اور بڑے بڑے عہدوں پہ فائز ہوئے — سر سید نے قوم کے لئے ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں پہ ان کا بڑا احسان ہے جس سے قوم کبھی سبک دوش نہیں ہو سکتی۔

سر سید ایک اردو یونیورسٹی بھی قائم کرنا چاہتے تھے مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ انھوں نے بہت سی مفید کتابیں لکھیں۔ ان کے مضامین نہایت دل چسپ ہیں اور پڑھنے کے قابل ہیں ۱۸۹۸ء میں ان کا انتقال ہوا۔

محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ

محمد علی نام، جوہر تخلص رام پور کے باشندے تھے۔ ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ اور بعد ازاں لنکن کالج آکسفورڈ میں تعلیم پائی۔ بڑودہ اور رام پور کی ریاستوں میں ملازم ہوئے اور بڑی خوبی سے اپنی ڈیوٹی انجام دی۔ پھر ملازمت سے دل برداشتہ ہو کر کلکتہ آ گئے تو نواب صاحب آف جاورہ نے آپ کو اپنا وزیر بنانا چاہا لیکن آپ نے منظور نہ کیا۔

ایک انگریزی اخبار جس کا نام کامریڈ تھا کلکتہ سے جاری کیا۔ یہ اخبار ہندوستان اور ہندوستان سے باہر قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ عوام کو سیاست سے آشنا کرنے کے لئے آپ نے ایک اُردو روزنامہ ہمدرد بھی نکالا۔

۱۹۱۳ء میں کانپور کی مسجد کے وضو خانے کو کانپور میونسپلٹی نے

توڑ کر سڑک میں شامل کر لیا تھا۔ اس پر تمام مسلمانوں میں جوش پھیل گیا۔ مولانا نے بھی اپنے اخبار میں اس سلسلہ میں مضامین لکھے اور ولایت بھی گئے، بالآخر فیصلہ مسلمانوں کے حق میں ہوا۔

۱۹۱۴ء میں آپ کو حکومت کے خلاف مضامین لکھنے پر نظر بند کر دیا گیا، پھر چھندواڑہ میں آپ نے میل ملاپ سے رہنے پر تقریر کی تو آپ کو قید کر دیا گیا۔

۱۹۱۹ء میں آپ قید سے چھوٹے اور تمام مسلمان خلافت ترکی کے معاملہ میں آپ کے ساتھ ہو گئے۔ آپ نے گاندھی جی کے ساتھ بھی آزادی کے لئے جدوجہد کی۔

انھوں نے چاہا تھا کہ مسلمانوں کا حکومت سے کوئی تعلق نہ رہے لہذا انھوں نے ایک درس گاہ کی بنیاد ڈالی جس کا نام جامعہ ملیہ رکھا تاکہ مسلمان آزادی کے ساتھ تعلیم حاصل کر سکیں اور کچھ دستکاری بھی سیکھ سکیں، یہ جامعہ اب تک دہلی میں قائم ہے۔ گو اب یہ جامعہ ہند وحکومت کے ہاتھوں میں ہے اور اب اس سے وہ مقصد پورا نہیں ہو رہا ہے۔

انگریزوں نے مولانا کو پھر قید کر دیا اور ۱۹۲۳ء میں چھوڑا۔ اسی سال وہ کانگریس کے صدر بنائے گئے۔ انھوں نے اس

دوران میں بہت کوشش کی کہ ہندو مسلمان آپس میں نہ لڑیں لیکن اس سلسلہ میں وہ کامیاب نہ ہو سکے کیونکہ ہندو چاہتے تھے کہ آزادی ملے تو مسلمانوں کو اپنا غلام بنائیں۔ یہ بات ہوشیار مسلمان بھانپ چکے تھے لہٰذا انھوں نے کانگریس سے علیحدہ ہو کر مسلم لیگ کو مضبوط کیا اور اسی کے ذریعہ سے قائدِ اعظم کی قیادت میں پاکستان بنایا۔

آخر عمر میں مولانا کی صحت بہت خراب ہو گئی تھی لیکن قومی درد سے مجبور ہو کر وہ ایسی حالت میں بھی انگلستان گئے وہاں گول میز کانفرنس میں ایسی اچھی تقریر کی کہ مشہور انگریز مصنف ایچ جی ویلز نے کہا، محمد علی کی زبان برک کی زبان تھی اور قلم میکالے کا قلم تھا اور دل نپولین کا۔

آخر کار انگلستان ہی میں ان کا انتقال ہو گیا اور آپ کی لاش بیت المقدس میں دفن کر دی گئی۔ آپ اپنے مذہبی عقائد میں بہت پختہ تھے اور سُنّی مذہب رکھتے تھے۔

▪ اُردو کے بڑے اچھے شاعر بھی تھے۔ اسی لئے جوہر تخلّص کرتے تھے ان سے ایک دیوان یادگار ہے، بڑے اچھے مقرر تھے کہ لوگوں کو مسحور کر لیتے تھے جو بات حق لگتی تھی اُس

سے کہنے میں کسی قسم کا باک نہ کرتے تھے اور کسی کی ذرہ بھر بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔

خلافت کے زمانے میں ان کی بیگم اور ان کی والدہ نے عورتوں میں آزادی کی رُوح پھونکی اور ان کے بھائی شوکت علی نے بھی ہمیشہ قوم و ملک کی خدمت کی ۔

1
2
3
4
5
6
7
8
9
10

مصطفےٰ کمال اتاترک

غازی مصطفےٰ کمال پاشا کا باپ علی رضا ترکی کے ایک شہر سلانیکا میں ایک معمولی تاجر کی حیثیت سے زندگی گزارتا تھا۔ مصطفےٰ کمال اسی شہر میں پیدا ہوئے۔ ابھی پانچ سال کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور ان کی پرورش ماں کے ہاتھوں میں آگئی۔ ان کی والدہ انھیں دینی تعلیم دلانا چاہتی تھیں لہذا انھیں ایک دینی مدرسہ میں داخل کر دیا گیا مگر وہاں ان کا جی نہ لگا اور وہ ایک فوجی مدرسہ میں داخل ہو گئے یہاں انھوں نے بہت محنت کی اور امتحان میں اعلیٰ نمبر حاصل کیے۔

ریاضی میں قابلیت کی بنا پر ان کے استاد نے انہیں کمال کا لقب دیا اور یہ لقب ان کے نام کا جزو بن گیا تب ہی سے وہ مصطفےٰ کمال مشہور ہو گئے۔ اس کے بعد وہ ایک بڑے فوجی کالج میں داخل ہوئے وہاں ان کی ملاقات ایسے نوجوانوں سے ہوئی جو سخت وطن پرست

تھے ۔ اس زمانے میں سلطان عبدالحمید حکمران تھے اور ملک میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں۔

یہ چند نوجوان ہر وقت اسی فکر میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح ملک کی حالت کو درست کیا جائے اور برائیوں کو دور کیا جائے اسی دوران میں امتحان ہوا اور وہ اچھے نمبروں سے پاس ہو گئے ۔ پاس ہوتے ہی وہ کیپٹن بنا دیے گئے ۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ ترکی کے وزیر جنگ نے مصطفٰے کمال کو بلایا اور کہا کہ تم فوراً فوج کے ساتھ دمشق چلے جاؤ وہاں جا کر مصطفٰے نے باغیوں کو شکست دی ۔

۱۹۱۱ء میں اٹلی کے خلاف طرابلس کی لڑائی چھڑ گئی پھر ۱۹۱۲ء میں جنگ بلقان شروع ہو گئی ، یہاں کی ریاستوں نے بغاوت کر دی تھی اور یونان نے ترکی سے ایک جزیرہ بھی چھین لیا تھا۔

دنیا کی پہلی بڑی لڑائی جرمنی اور انگریزوں کے درمیان ۱۹۱۴ء میں ہوئی تھی جس میں ترکوں نے جرمنی کا ساتھ دیا تھا۔ مصطفٰے کمال کو اس کی خواہش کے مطابق درۂ دانیال کی حفاظت کے لئے بھیج دیا گیا ۔ جب اس درّے پر انگریزوں کی فوج قبضہ کرنے کے لئے پہنچی تو انگریزوں کے دس جنگی جہاز یکے بعد دیگرے مصطفٰے کمال کی کوششوں سے ڈبو دیے گئے ۔ یہ اس دور کے بڑے بھاری جنگی جہاز تھے

ایک بڑا جہاز جس کا نام ایلزبیتھ تھا وہ بھی ڈبو دیا گیا اور انگریزوں کا بحری بیڑہ شکست کھا کر پیچھے ہٹ گیا لیکن اس جنگ میں جرمنی کو شکست ہوئی اور ترکی نے بھی ہتھیار ڈال دِئے مگر مصطفےٰ کمال نے اپنے وطن سلانیکا پہونچ کر جمہوری حکومت قائم کر لی لہذا جتنے بھی فوجی افسر اور سپاہی اِدھر اُدھر تھے وہ سب مصطفےٰ کمال کے جھنڈے کے نیچے آکر جمع ہو گئے اور یونان جو ترکی پر قابض ہونا چاہتا تھا سمرنا کے مقام پر شکست کھا کر پیچھے ہٹا اور پھر ادھر کا نام نہ لیا۔ اس کے حمائیتوں یعنی انگریزوں اور فرانسیسیوں کو بھی ہار ماننا پڑی۔ مصطفےٰ کی اس کامیابی کی وجہ سے اس کے نام کے ساتھ غازی کا لقب بھی شامل ہو گیا مگر وہ اپنے آپ کو اتاترک یعنی ترکیوں کا باپ کہتا تھا، اس لئے ان کا پورا نام غازی مصطفےٰ کمال اتاترک ہو گیا۔

جب اِنھوں نے حکومت سنبھالی تو ہر ترکی کے لئے تعلیم حاصل کرنا ضروری قرار دے دیا۔ زراعت، صنعت و حرفت کی اصلاح کی، اور تمام ترکی کو فوجی بنادیا۔ ان ہی کی کوششوں کا یہ نتیجہ ہے کہ آج ترکی ترقی یافتہ ممالک میں شمار ہوتا ہے۔

■ بہت بہادر، نیک دل، خدا ترس انسان تھے۔ اچھے

ریاضی دان اور شاعر بھی تھے۔ رات دن کام کرنے کی وجہ سے آخر عمر میں صحت خراب ہو گئی تھی لہٰذا تقریباً تین ماہ بیمار رہ کر ۱۹۳۸ء میں وہ دُنیا سے سدھار گئے۔

بچو! تم بھی بڑے ہو کر ان کی طرح سے بہادر اور قوم کے مخلص خادم بننا۔

قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ

پاکستان جس پر ہم رات دن فخر کرتے ہیں جو دنیا کی سب سے بڑی مسلم سلطنت ہے اور دُنیا کے بڑے ممالک میں پانچویں نمبر پر ہے کیا آپ کو پتہ ہے کہ یہ اتنا بڑا مُلک ہمیں کیسے مِل گیا۔ کیا آپ اس کے متعلق کچھ جاننا چاہتے ہیں۔

سُنو! یہ اتنی بڑی سلطنت ہمیں اس وجہ سے مِل گئی کہ قائدِ اعظم محمد علی جناح نے اس کے لئے جدوجہد کی تھی وُہی اس سلطنت کے بانی اور سرپرست تھے۔

۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء وُہ کراچی میں پیدا ہوئے۔ ان کے پدرِ بزرگوار ایک سوداگر تھے۔ انھوں نے اپنے بیٹے کو اعلیٰ تعلیم دلائی ابھی وُہ سولہ سال کے تھے کہ تعلیم کے لئے انگلستان روانہ ہو گئے اور چار برس کے بعد بمبئی میں آکر وکالت شروع کر دی۔ ابتدائی

دو تین سال تو انھیں کچھ کامیابی نہ ہوئی اور نہ مقدمات زیادہ ملے لیکن انھیں اپنی ہمت و قابلیت پر پورا بھروسہ تھا، لہٰذا انھوں نے ہمت نہ ہاری اور چند ہی دنوں میں ایک کامیاب وکیل کی حیثیت سے مشہور ہو گئے۔

اب وہ خوب مال دار ہو گئے تھے اور تمام ہندو مسلمان ان کی عزّت کرتے تھے۔ حکومت بھی انہیں مانتی تھی اور انکی عزت افزائی کرنا چاہتی تھی، لیکن انھوں نے تو بڑے بڑے کارناموں کے منصوبے گانٹھے ہوتے تھے، وُہ اپنے ہم وطنوں کو مصیبت میں مبتلا نہ دیکھ سکتے تھے۔ ان کا دل غیر مُلکی حکومت کو دیکھ کر بیٹھا جاتا تھا وُہ ہندوستان کو آزاد دیکھنا چاہتے تھے۔

اس زمانے میں کانگریس بڑے زور شور سے آزادی کے لئے جدوجہد کر رہی تھی، جناح اُس میں شریک ہو گئے اور کانگریس کے صدر بھی رہے۔ بمبئی کے لوگوں نے اظہارِ محبّت کے طور پر ایک جناح ہال تعمیر کرایا۔

۱۹۰۶ء میں مسلمانوں کے کچھ رہنماؤں نے مُسلم لیگ کی بُنیاد ڈالی۔ جناح ، لیگ اور کانگریس دونوں کی رہبری کرتے رہے۔ انھوں نے لیگ کو مشورہ دیا کہ وُہ اپنا نصب العین بدلے۔ لہٰذا لیگ بھی

خود اختیاری حکومت کا مطالبہ کرنے لگی۔ اس طرح دونوں جماعتیں آزادی کامل کے لئے متحد ہو گئیں۔

بعض مسلمانوں نے دیکھا کہ ہندو یہ چاہتے ہیں کہ آزادی حاصل کر کے رام راج قائم کریں اور مسلمانوں کو اپنا غلام بنائیں۔ قائداعظم بھی اس بات کو تاڑ گئے، وہ سمجھ گئے کہ ہندوستان سے کانگریس کا مطلب ہندو ہندوستان ہے۔

ہندوستان کی آبادی چالیس کروڑ تھی اور مسلمان صرف دس کروڑ تھے یعنی چوتھائی جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر جگہ ہندوؤں کی اکثریت ہوتی لہٰذا ہندو من مانی کرتے اور ہندو تو یقیناً آزاد ہو جاتے مگر مسلمان کبھی آزاد نہ ہوتے ہاں بجائے انگریز کے ان کا آقا ہندو بن جاتا۔ انگریزی راج کی جگہ ہندو راج ہوتا، انگریزی حکومت ختم ہو جاتی اور ہندو حکومت قائم ہو جاتی، لہٰذا قائداعظم نے ایک تدبیر سوچی۔

انھوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کا ایک اجلاس طلب کیا جس میں بڑے بڑے مسلمان شریک ہوئے۔ آپ نے اس دن ایک خطبہ دیا جو پاکستان کی تاریخ میں یادگار رہے گا۔ آپ نے فرمایا۔ ہندوستان میں دو قومیں آباد ہیں ہندو اور مسلمان جس طرح کانگریس ہندوؤں کے حقوق کی حفاظت کرتی ہے اسی طرح مسلم لیگ مسلمانوں کے حقوق

کی نگہداشت کرتی ہے۔ سینکڑوں سال سے ہندو اور مسلمان ایک ساتھ رہتے چلے آتے ہیں، لیکن وُہ کبھی اچھے ہمسایوں کی طرح نہیں رہے کیونکہ ان میں کوئی چیز مشترک نہیں ہے۔ ایک قوم کے بہادر دوسری قوم کے دشمن سمجھے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کی زبان، مذہب، تہذیب و تمدّن سب کچھ جُدا ہے۔ عرصہ دراز سے وہ ایک ساتھ رہتے چلے آئے ہیں۔ پھر بھی انھوں نے ایک دوسرے سے نفرت ہی کرنا سیکھا ہے لہٰذا اب وقت آگیا ہے کہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں۔ ہندوستان کے بعض حصّے ایسے ہیں جہاں مسلمان ہندوؤں سے زیادہ ہیں۔ ان حصّوں پر مسلمانوں کی حکومت ہونی چاہیئے یہ ایک نئی سلطنت پاکستان کے نام سے علیحدہ قائم ہو جسے مسلمانوں کا وطن قرار دیا جائے۔

چند سالوں کی مسلسل جد و جہد کے بعد قائدِاعظم اس لائق ہو گئے کہ وہ ہندوؤں اور انگریزوں کو اس امر پر مجبور کر سکیں کہ ہندوؤں کا ملک بھارت کہلائے اور مسلمانوں کا پاکستان۔

اس طرح آپ کی کوششوں سے پاکستان نے جنم لیا جو دُنیا میں سب سے بڑی اسلامی ریاست ہے۔ دیکھو مسلسل کوشش سے ہمارے قائدِاعظم آخرکار کامیاب ہو ہی گئے کیونکہ وہ خلوص قلب

سے لڑے۔ انھوں نے ہمیشہ سچ بولا، سوائے خدا کے وہ کسی سے کبھی نہیں ڈرے۔

نئی حکومت کے رات دن انتظام کرنے کی وجہ سے اور رات دن کام کی زیادتی کی وجہ سے آپ کی صحت خراب ہی ہوتی چلی گئی۔ بالآخر ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کراچی میں آپ کا انتقال ہو گیا اور وہیں مدفون ہوئے ؂

سر آغا خاں

سر آغا خاں کے پردادا آغا خلیل اللہ خاں ایران کے بادشاہ فتح علی شاہ قاچار کے زمانے میں نامور درباری امیر تھے وہ کرمان کے صوبہ دار بھی تھے اور مذہبی پیشوا بھی سمجھے جاتے تھے۔ فرقۂ اسماعیلہ کے راہنما تھے۔ کسی شخص نے انہیں قتل کر دیا تو اُن کے بیٹے آغا حسین علی شاہ ان کی جگہ جانشین ہو گئے اور خوجوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ اٹھا لیا۔ ۱۸۸۱ء میں ان کا انتقال ہو گیا اور ان کے لڑکے آغا علی شاہ ان کے جانشین ہو گئے۔

۱۸۷۵ء میں سر سلطان محمد شاہ یعنی آغا خاں کراچی میں پیدا ہوئے یہ ابھی دس برس کے تھے کہ ان کے والد فوت ہو گئے۔ آغا خاں خود لکھتے ہیں۔

میں خوش نصیب تھا کہ ایسی مصیبت کے وقت مجھے ایسی ماں

ملی جس کی دُور اندیشی اور ہوشیاری نے میرے الجھتے ہوئے کاروبار کو سنبھال لیا۔ انھوں نے میری مشکلات کا اچھی طرح اندازہ کرلیا اور میری تعلیم و تربیت کی طرف پوری توجہ دی۔

آغاخاں کو بچپن ہی سے اپنے پہلوں سے دلچسپی تھی وہ اپنے آپ کو خوجوں کا پیشوا کہتے تھے اور خوجے بھی انھیں اپنا گُرو مانتے تھے۔ خوجے زکوٰۃ بڑی پابندی سے دیتے ہیں اور یہ آغاخاں کا حصّہ ہوتا ہے۔ آغاخاں کی خاندانی دولت اور یہ زکوٰۃ کا مال مل کر بڑی دولت بن جاتی ہے۔ کیونکہ ان کے پیرو نہ صرف ہندوستان میں لاکھوں ہیں بلکہ دُنیا کے مختلف ملکوں میں بھی کثیر تعداد میں ہیں اور وہاں آغاخاں آتے جاتے رہتے ہیں اور ان کی بہتری اور بھلائی کا خیال رکھتے ہیں۔ یہ فرقہ شروع ہی سے سوداگری پیشہ رہا ہے اور اسی کی ترقی میں کوشش کرتا رہا ہے۔

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کا فرقہ انھیں خدا سمجھ کر پُوجتا ہے لیکن یہ بات غلط ہے۔ دراصل ان کی وہی بڑائی اور عزّت ہے جو یورپ میں رومن کیتھولک فرقے کے سب سے بڑے پادری کی ہوتی ہے۔ ایک تقریر میں انھوں نے فرمایا یہ غلط ہے جو لوگ میرے فرقے کے بارے میں عجیب عجیب خیالات

دوڑاستے ہیں۔ میرا فرقہ تمام عام مسلمانوں کے سے عقائد رکھتا ہے اور انھیں پر عمل کرتا ہے۔

سر سید احمد خان مرحوم کے آخری دور میں علی گڑھ کالج کی مالی حالت خراب ہو گئی تھی۔ ان کے انتقال کے بعد نواب محسن الملک نے آغا خان کو اس طرف توجہ دلائی اور لاکھوں روپیہ بطور چندہ علی گڑھ کالج اور مسلم یونیورسٹی کے لئے انھوں نے عطیہ دیا۔

۱۹۰۳ء میں سر آغا خان کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا صدر بنایا گیا۔ اس وقت سے مرتے دم تک سر آغا خان کو عام مسلمانوں کا سردار سمجھا جانے لگا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے بنانے اور ترقی دینے میں بھی ان کا بڑا ہاتھ تھا۔ تحریک خلافت اور پاکستان کے قیام کے بارے میں اگرچہ انھوں نے کوئی حصہ نہیں لیا لیکن وہ دل سے مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن بنانے کے حامی تھے۔

۱۹۵۷ء میں آپ کا انتقال ہوا، بیاسی سال کی عمر پائی وہ مسلمانوں کے بڑے خیر خواہ تھے اور ہمیشہ نیک مشورہ دیتے تھے۔

زرتشت

کئی ہزار سال پہلے کی بات ہے کہ ایران میں ہر طرف گمراہی پھیلی ہوئی تھی۔ ظلم وستم کا بازار گرم تھا کہ زرتشت پیدا ہوئے انھوں نے لوگوں کو نیک ہدایت دی اور اچھے کاموں کے کرنے پر ابھارا۔

زرتشت دو خدا مانتے تھے۔ ایک بھلائی کا پیدا کرنے والا اور دوسرا برائی کا اور آگ کی پوجا کیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں ہندوستان میں بیاس جی زندہ تھے۔ جن پر وید نازل ہوئے تھے، انھوں نے جو سُنا کہ زرتشت آگ کی پوجا کی تلقین کرتے ہیں تو وہ ان کے مخالف ہو گئے اور بحث کرنے کے لئے ایران گئے مگر وہاں سے زرتشت کے معتقد ہو کر لوٹے۔

یہ پارسی لوگ انہی کی اُمّت سے ہیں۔ زرتشت نے عام ہدایت

کے لئے ایک کتاب لکھی جس کا نام ژند رکھا مگر یہ کتاب لوگوں کی سمجھ میں نہ آئی تو پھر آپ نے اس کی شرح لکھی اور پاژند اس کا نام رکھا وُہ بھی لوگوں کی سمجھ میں نہ آئی تو اوستا لکھی یہ تینوں کتابیں پارسیوں کی مقدس کتابیں ہیں۔ ژند پاژند اور اوستا میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے۔ صبح، شام دوپہر اور رات کے پڑھنے کی دعائیں ہیں اور عمدہ عمدہ نصیحتیں ہیں۔ مثلاً یہ کہ انسان کو کبھی جھوٹ نہیں بولنا چاہیئے کسی جانور کو مارنا یا ستانا نہ چاہیئے۔ خدا کو ہر وقت یاد رکھنا چاہیئے۔ بڑوں کی تعظیم کرنی چاہیئے، کپڑے برتن رہن سہن کی جگہ صاف رکھنی چاہیئے۔ آمدنی کے تین حصّے کرنے چاہئیں، ایک حصّہ گھر کے خرچ کے لئے ایک مہمانوں وغیرہ کے لئے اور ایک تہائی جمع رکھنا چاہیئے تاکہ ضرورت کے وقت کام آسکے۔

سری کرشن

آج سے کوئی ہزاروں سال پہلے کی بات ہے کہ متھرا میں ایک بزرگ سری کرشن جی مہاراج پیدا ہوئے۔ یہ بڑے بہادر اور نیک دل انسان تھے۔

جنم اشٹمی جو ہندوؤں کا تہوار ہے وہ انہی کی پیدائش کا مبارک دن ہے اس دن ہندو روزہ رکھتے ہیں۔ اور بڑی خوشیاں مناتے ہیں انھیں کنہیا بھی کہتے ہیں، ہندو ان کی پوجا کرتے ہیں۔

ہندوستان کی مشہور جنگ مہابھارت جس میں ہندوستان کے بڑے بڑے راجے شریک تھے صرف کرشن جی کی بدولت فتح ہوئی یہ جنگ کورو اور پانڈو کے درمیان ہوئی تھی، چونکہ زیادتی کورو کی طرف سے تھی اس لئے کرشن جی پانڈو کے ساتھ تھے، فوجی طاقت کے اعتبار سے کورو بڑھے ہوئے تھے مگر انھیں کرشن جی کی وجہ سے

شکست کھانی پڑی۔ ارجن پانڈو کا جرنیل تھا جب اُس نے خون کی ندیاں بہتے دیکھیں تو اُس نے لڑنے سے انکار کر دیا مگر سری کرشن جی نے اُس وقت ایسی عمدہ تقریر کی جس کی وجہ سے وہ پھر جنگ کے لئے تیار ہو گیا اور بالآخر فتح یاب ہوا۔

کرشن جی نے فرمایا کہ اپنے حق کے لئے لڑنا جائز ہے اور ظلم کے مٹانے کے لئے خون کا بہانا کارِ ثواب ہے۔ اس جنگ کا بیان ہندوؤں کی مشہور کتاب مہابھارت میں ہے اور جو تقریر آپ نے کی تھی اُسے بھگوت گیتا کہتے ہیں۔ ان دونوں کتابوں کو ہندو بہت مقدس جانتے ہیں۔

مہابھارت کے بعد اور بھی لڑائیاں کرشن جی کو لڑنی پڑیں جن میں انھیں فتح ہوئی اور ظالم راجاؤں کو شکست ہوئی جو رعایا پر بڑا ظلم و ستم ڈھاتے تھے۔

کرشن جی توحید کی تبلیغ کرتے تھے۔ ایک دن جنگل میں درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے ہرن کے تیر مارا ہرن تو بچ کر نکل گیا مگر وہ تیر کرشن جی کے آ لگا جس سے آپ بچ نہ سکے اور وہیں انتقال کر گئے۔

ان کی پیدائش کا عجیب واقعہ ہے۔ ان کا ماموں کنس جو متھرا کا راجہ

تھا انتہائی ظالم تھا۔ رعایا اس سے تنگ آ گئی۔ جوتشیوں نے کہا کہ کنس اپنے ایک بھانجے کے ہاتھوں مارا جائے گا۔ کنس کو اس کی اطلاع ہو گئی۔ اس کی ایک بہن تھی جس کا نام دیوکی تھا، اس نے حکم دے دیا کہ جب بھی دیوکی کے بچہ پیدا ہو فوراً مار ڈالا جائے۔ جب کرشن جی پیدا ہوئے تو ایک گوالن نے اپنی بچی کرشن کی جگہ لٹا دی اور کرشن کو اٹھا کر لے گئی۔ کنس نے اس لڑکی کو مروا ڈالا اس طرح کرشن جی گوالن کے گھر میں پلتے رہے۔ جب جوان ہو گئے تو کنس کو اطلاع ملی کہ اس کا بھانجا فلاں گوالن کے گھر میں پل رہا ہے۔ اس نے گرفتار کر کے بلوا لیا اور حکم دیا کہ مست ہاتھی کے سامنے ڈال دیا جائے۔ کرشن جی نے ہاتھی پر اس زور سے حملہ کیا کہ اس کے دونوں دانت گر گئے اور وہ بھاگ گیا۔ پھر کیا تھا انھوں نے ماموں کی گردن پکڑ لی اور کہا گو تم میرے ماموں ہو مگر سخت ظالم ہو۔ میں اپنے سات بھائیوں کے بدلے میں تمھارا گلہ دباتا ہوں۔ کنس وہیں مر گیا۔ کسی نے اس کی مدد نہ کی کیونکہ کرشن جی کی بہادری سے سب ڈر گئے تھے۔ اس کے بعد کرشن نے متھرا کی سلطنت سنبھالی اور آس پاس کے ظالم راجوں سے لڑائیاں لڑیں۔ ان کی تمام عمر حق کی تبلیغ میں صرف ہوئی۔

اشوک

اشوک کا شمار دُنیا کے نیک نام بادشاہوں میں ہوتا ہے۔ یہ نیک دل بادشاہ ۲۷۲ء ق۔ م میں گزرا ہے۔ اس نے ہمیشہ رعایا کی بھلائی کا خیال رکھا۔ وہ شاہی ٹھاٹ باٹ کو پسند کرتا تھا اس کو ہمیشہ ہندوستانیوں کی ترقی کا خیال رہتا تھا۔

جب اس کا باپ ہندوسار مرا تو اس کو اپنے سوتیلے بھائی سے ایک چھوٹی سی جنگ کرنی پڑی۔ اس کے بعد وہ بادشاہ بن گیا۔ شہزادگی کے زمانے میں وہ ٹیکسلا اور اجین کا گورنر تھا۔

اس زمانے میں کلنگا کی حکومت بڑی زبردست تھی ۲۶۱ء ق۔ م میں وہ خاندان کلنگا کے راجاؤں سے لڑا، تین سال تک یہ لڑائی جاری رہی۔ بالآخر اشوک فتح یاب ہوا مگر وہ اس جنگ کے بعد لڑائی سے سخت نفرت کرنے لگا۔ کیونکہ اس لڑائی میں لاکھوں

ی مارے گئے تھے اور سینکڑوں گھر تباہ ہو گئے تھے لہٰذا اُس نے
یصلہ کرلیا کہ وُہ آئندہ گوتم بدھ کے اصوُل پہ عمل کرے گا اور اس
کے مذہب کی تبلیغ کرے گا۔ وُہ بُدھ کے ایک چیلے اپاگپتا کا مرید
ہو گیا۔ اس نے بدھ مذہب کو شاہی مذہب قرار دیا اور دور و
نزدیک ناہبی اشاعت کے لئے لوگ بھیجے۔ ان اشاعت کرنے
والوں میں اس کی بہن اور بھائی بھی شریک تھے۔ پھر کیا تھا تمام
ملک میں بدھ مت پھیل گیا۔

اپاگپتا کے ساتھ اس نے بدھ کے تمام مقدس مقامات کی زیارت
کی اور وہاں بڑی عالی شان عمارتیں بنوائیں جو اب تک باقی ہیں۔
اُس نے بدھ مذہب کے احکام جگہ جگہ پتھروں پر کھدوا کر لگوا دیئے
تھے تاکہ تمام لوگ ان کو سمجھیں اور عمل کریں۔ یہ پتھر اب تک باقی ہیں۔

ان فرمانوں کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) کسی جانور کو تکلیف مت پہونچاؤ۔ (۲) اپنے ماں باپ استاد
اور بزرگوں کی تعظیم کرو۔ (۳) ہمیشہ سچ بات کہو۔ (۴) کسی کے مذہب
کو برا مت کہو۔ (۵) کسی کی بُرائی مت کرو۔ (۶) بُری بات مُنہ
سے نہ نکالو۔ (۷) نیک کام کرو۔ (۸) خیالات کی درستی کرو۔ (۹)
اپنے خادموں اور غلاموں کے ساتھ اچھا برتاؤ۔

اشوک نے خود بھی ان اصول پر عمل کیا اور دوسروں کو بھی ان پر عمل کرنے کی تبلیغ کی لہٰذا اُس نے گوشت کھانا اور شکار کھیلنا چھوڑ دیا تھا مگر اُس نے مذہب کے پھیلانے پر زبردستی نہیں کی۔

اس کی حکومت کے افسر بستی بستی تبلیغ کرتے پھرتے تھے۔ اُس نے بعض جانوروں کے مارنے کو جرم ٹھیرایا تھا مگر اس کے باوجود اس کے زمانے میں لوگ گوشت کھانے کے لئے جانور ذبح کرتے تھے پاک صاف رہنے کے اصولوں کی اشوک نے بڑی اشاعت کی اور بڑی محنت کی ادھر انتظامی اور بھی بڑی تن دہی سے انجام دیئے اس کے باوجود وہ کہا کرتا تھا کہ میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ ۲۳۲ ق۔ م میں اس کا انتقال ہو گیا۔

اشوک کی سلطنت، پنجاب، گجرات، کاٹھیاواڑ، میسور، اڑیسہ بنگال، افغانستان، کشمیر اور بلوچستان تک پھیلی ہوئی تھی۔

اس کی حکومت کے ملازم تمام ملکوں کا دورہ کرتے رہتے تھے تاکہ دیکھیں کہ کسی پر ظلم و زیادتی تو نہیں ہو رہی ہے۔

اشوک کو سڑکیں بنانے کا بھی بہت شوق تھا، اُس نے سڑکوں کی دونوں طرف درخت لگوا دیئے تھے اور تمام ملکوں میں حیوانوں اور انسانوں کے لئے شفاخانے بنوا دئے تھے۔ سرائیں اور کنوئیں

جگہ جگہ تعمیر کرا دیئے تھے۔
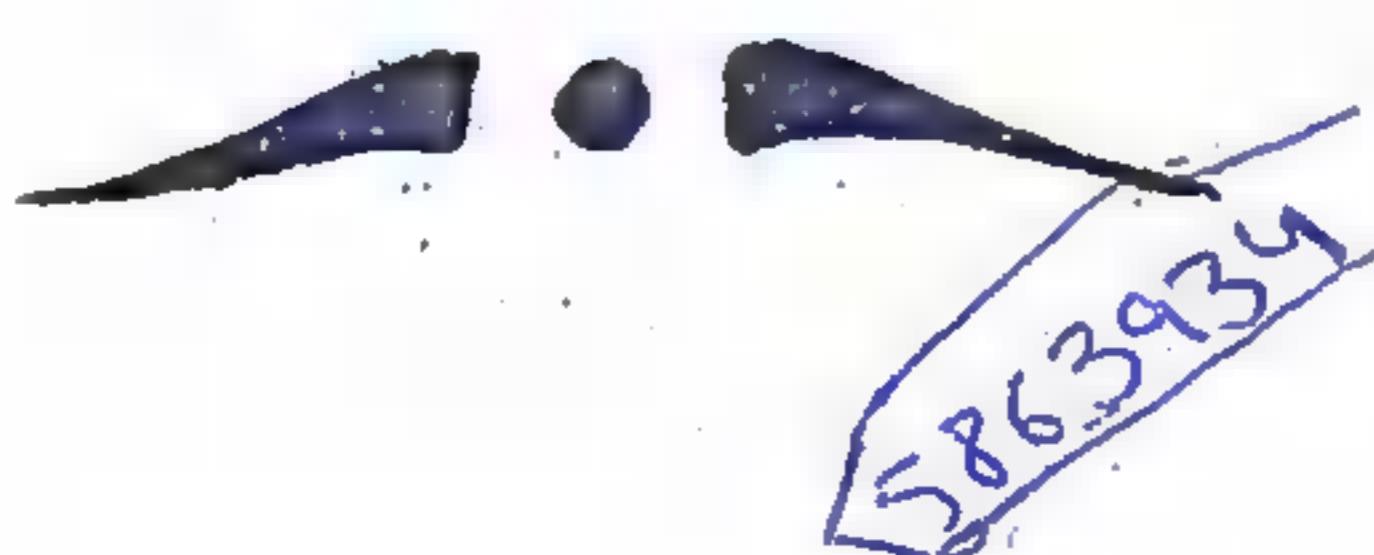
اس کی ساری سلطنت پورے چار صوبوں میں منقسم تھی۔ مرکزی حکومت پاٹلی پتر میں تھی، ٹیکسلا کے گورنر کے ماتحت افغانستان، ایران، پنجاب اور سندھ کے علاقے تھے، مشرقی علاقوں کا صدر مقام توسالی تھا، مغربی علاقوں کا اجین اور دکن کا سوارنگری، اشوک کی عادت تھی کہ وہ تمام اپیلوں پر خود نظرثانی کیا کرتا تھا تاکہ کسی پر ظلم زیادتی نہ ہو جائے۔

اشوک کی وفات کے بعد یہ حکومت رو بزوال ہوتی چلی گئی کیونکہ اس کے جانشین بالکل نااہل تھے۔ اشوک کے بعد یکے بعد دیگرے پانچ بادشاہ ہوئے مگر ہر ایک نے بہت تھوڑے عرصے حکومت کی۔ اشوک موریا خاندان سے تھا۔ اس کی وفات کے بعد موریا خاندان کے حکمرانوں کے آپس میں لڑنے جھگڑنے سے سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ بالآخر اس خاندان کے آخری تاجدار کو اس کے سپہ سالار پشیامتر نے قتل کر دیا اور ایک نئی سلطنت کی بنیاد ڈال دی۔

اشوک کے لگائے ہوئے کتبوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور کے لوگ سنگ تراشی میں بڑے ماہر تھے۔ ان

پتھروں کے نقش بڑے خوبصورت اور پالش نہایت عمدہ ہے
ہندوستان میں موریا خاندان سے پہلے سنگ تراشی نے ترقی نہیں
کی تھی مگر ان کے دور میں سنگ تراشی نے حیرت انگیز ترقی کی تھی
اس دور میں فن تعمیر میں بھی ہندوستان کے باشندے بہت
ترقی کر چکے تھے۔ ستونوں کی ترتیب، وزن اور موزونیت کا لحاظ
اس دور کی عمارتوں سے آشکارا ہے۔
اشوک کے فرمانوں کی زبان سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں میں
پڑھنے لکھنے کا رواج کافی تھا۔ اس کے دور میں علمی و سیاسی مذاق
بھی اہل ہند میں خوب تھا جیسا کہ پرانی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

سکندر اعظم

بچو! تم نے سکندر کا نام تو ضرور سُنا ہو گا کیونکہ وہ دنیا کے مشہور لوگوں سے ہے۔ وہ یونان کا باشندہ تھا۔ یہ یورپ کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ یہاں کی ایک ریاست مقدونیہ کے نواب فلپ کے ہاں کوئی بائیس سو برس پہلے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام سکندر رکھا گیا۔ یہ لڑکا بچپن ہی سے بڑا ہونہار اور عقل مند تھا۔

سکندر ابھی بارہ سال کا تھا کہ اُس کے باپ نے ایک قیمتی گھوڑا خریدا مگر کوئی شخص اس پہ سواری نہ کر سکا۔ تمام درباری حیران تھے کہ کیا کیا جائے۔ اتنے میں سکندر ادھر آنکلا اور جھٹ گھوڑے پہ سوار ہو گیا۔ تمام لوگ حیران رہ گئے کہ گھوڑا کسی کے قبضے میں نہ آیا تھا۔ اس لڑکے کے قبضے میں کیسے آیا۔ باپ نے پوچھا۔ بیٹا تو نے کیا تدبیر کی جس سے گھوڑا رام ہو گیا۔ کہنے لگا۔ کچھ بھی نہیں بات

یہ بھی کہ گھوڑا اپنے سائے سے بدکتا تھا۔ میں نے اُس کا مُنہ سُورج کی طرف کر دیا تاکہ وہ اپنے سائے کو نہ دیکھ سکے۔ سکندر کی یہ دانشمندانہ بات سُن کر باپ بہت خوش ہُوا اور اُسے گلے سے لگا لیا اور کہا بیٹا تمہاری عقل اور ہمّت کے مقابلے میں میری چھوٹی سی سلطنت بہُت تنگ ہے۔ تُم بڑے ہوکر اپنے لئے کوئی بڑی حکومت تلاش کرنا۔

جب اُس کے باپ فلپ کا انتقال ہوگیا تو وُہ انیس سال کا تھا۔ اُس نے تخت پر بیٹھنے کے بعد آہستہ آہستہ سارے یونان کو فتح کرلیا اور چند سالوں میں ایران اور ہندوستان کو بھی فتح کر لیا اور دریائے جہلم تک اپنی حکومت پھیلا دی۔

اس کے دور میں ایران کا مشہور بادشاہ دارا حکومت کرتا تھا سکندر کے ساتھ بہت تھوڑی فوج تھی اور ایرانی فوج بہت زیادہ تعداد میں تھی مگر اس کی جنگی مہارت کے آگے ایک نہ چلی اور ایرانیوں کو ہتھیار ڈالتے ہی بن پڑی۔

جب وہ ایران کو فتح کر چکا تو ہندوستان کی طرف بڑھا راجہ پورس نے اُس کا بڑی خوبی سے مقابلہ کیا۔ ایک عرصہ تک دونوں فوجیں دریائے جہلم کے کنارے آمنے سامنے پڑی رہیں۔ اتفاقاً

ایک رات سخت طوفان آیا اور سکندر اپنی فوج لے کر راتوں رات دریا کو پار کر کے پورس کی فوج پر حملہ آور ہو گیا۔ پورس نے پھر بھی بہادری سے مقابلہ کیا مگر کامیاب نہ ہو سکا بلکہ گرفتار ہو گیا۔

پورس کو گرفتار کر کے سکندر کے سامنے لایا گیا تو سکندر نے اس سے پوچھا۔ بتاؤ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ پورس نے کہا جیسا بادشاہ بادشاہ کے ساتھ کرتا ہے۔

سکندر نے کہا۔ میں تمہاری بہادری سے بہت خوش ہوں جاؤ میں نے تمہاری تلوار اور تمہارا ملک تمہیں سونپ دیا۔

ان تمام لڑائیوں میں سکندر فوج کا جرنیل بنتا تھا۔ وہ بڑا سخی تھا۔ جب یونان سے چلنے لگا تو اپنی ساری دولت عزیزوں دوستوں میں تقسیم کر دی۔ لوگ کہنے لگے، آپ نے اپنے لئے تو کچھ بھی نہیں رکھا۔ کہنے لگا۔ میں نے اپنے لئے ایک بڑی بھاری دولت رکھی ہے جس کا نام اُمید ہے۔

یونان کا مشہور فلسفی ارسطو اس کا اُستاد تھا اور بڑے بڑے اہل علم اُس کے دربار میں رہتے تھے۔ ایک دفعہ سکندر کو کسی نے منہ پر گالی دی تو اس نے معاف کر دیا اور کچھ بھی نہ کہا۔

سقراط

سقراط بڑا بھاری فلسفی تھا اُس کے علم سے بہت سے لوگوں
نے فائدہ اُٹھایا ہے۔ تم نے افلاطون کا نام سُنا ہوگا، یہ افلاطون
بھی سقراط کا شاگرد تھا۔ افلاطون بھی تمام دُنیا میں مشہور ہے۔ کہتے
ہیں تو کہاں کا افلاطون ہے۔

سقراط ۴۷۰ء قبل مسیح میں پیدا ہوا اور ستر برس کی عمر میں
ق۔م، اُسے زہر کا پیالہ پلا دیا گیا اور وہ مر گیا۔ وہ ایک خوش حال
گھرانے میں پیدا ہوا اُس نے ابتدائی زندگی خوشحالی کے ساتھ
بسر کی۔ آخر عمر میں شادی کی اور تین بچوں کا باپ بنا۔

وہ لوگوں کو غلط مذاہب سے روکتا تھا اور چاہتا تھا کہ لوگ
صحیح مذہب اختیار کریں۔ وہ ان دیکھی آوازیں سُنا کرتا تھا۔
ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ وہ کوئی بڑی بھاری بات سوچ رہا تھا کہ

صبح سے لے کر دوپہر تک وہ وہیں کھڑا رہا، شام ہو گئی تب بھی وہیں کھڑا رہا۔ بستی کے آدمی اپنی اپنی چٹائیاں لے کر وہاں آکر بیٹھ گئے کہ دیکھیں کب تک کھڑا رہتا ہے۔ آخر کار جب اگلے دن صبح کو سورج نکلا تو وہ سورج کے سامنے ہاتھ جوڑ کر اور دعا مانگ کر چلا گیا۔

سقراط کی تحریریں ضائع ہو گئیں مگر اس کے شاگردوں کے ذریعے اس کے اقوال ہم تک پہونچے ہیں۔ اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بڑا سمجھ دار انسان تھا۔ اس نے یونان کے بڑے بڑے سیاست دانوں استادوں اور شاعروں سے ملاقات کی اور سب کو کورا پایا۔ اسی سے وہ اس نتیجہ پر پہونچا کہ مجھے ڈلفی کے مندر نے سب سے عقل مند بتایا ہے وہ اس طرح کہ میں اپنی جہالت کو جانتا ہوں اور دوسرے اپنی جہالت سے آشنا نہیں ہیں۔ وہ جاہل ہونے پر بھی اپنے آپ کو عالم سمجھتے ہیں، وہ تمہیں آوازوں اور خوابوں کو خدا کا پیغام سمجھتا تھا اور اپنے متعلق اُس کا خیال تھا کہ خدا نے اس کو لوگوں کی درستی کے لئے بھیجا ہے مگر جب اُس نے اپنا تمام کاروبار چھوڑ کر اس طرف توجہ کی تو اس کا تمام روپیہ خرچ ہو چکا تھا اور وہ نادار و مفلس ہو گیا تھا اُس نے اس کی کچھ پرواہ

نہ کی۔

سقراط کچھ نہ کچھ جمہوریت کے خلاف کہتا رہتا تھا۔ افلاطون نے بیان کیا ہے کہ اُسے لوگوں نے سمجھایا کہ ایسا نہ کر اس میں جان کا خطرہ ہے مگر وہ باز نہ آیا چونکہ وہ عام دیوتاؤں کی مذمت کرتا تھا۔ لہٰذا یونان کے لوگوں نے اس کے خلاف مقدمہ دائر کیا کہ وُہ نوجوانوں کو گمراہ کرتا ہے اور اس پر دو بڑے الزام لگائے۔

(۱) یہ کہ وہ ریاست کے دیوتاؤں کو بُرا کہتا ہے اور اُس نے نئے دیوتا تراشے ہیں وُہ ہمارے دیوتاؤں کی پوجا نہیں کرتا۔

(۲) وہ نوجوانوں کے اخلاق کو بگاڑتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ دونوں الزام بالکل جھوٹے تھے مگر لوگوں کو تو اُسے نقصان پہونچانا تھا۔ اوّل تو یہ کہ دیوتاؤں پر ایمان لانا کوئی ضروری بات نہیں تھی نہ اس کی سزا موت ہو سکتی تھی کیونکہ اس سے پیشتر بھی کئی لوگوں نے دیوتاؤں کی مذمت کی تھی مگر انھیں کسی نے بھی کچھ نہیں کہا تھا اور سقراط دیوتاؤں کی توہین بھی نہیں کرتا تھا چونکہ دیوتاؤں میں عام طور پر جھوٹ، فریب اور ہوس وغیرہ کا شائبہ پایا جاتا تھا۔ اس لئے وُہ انھیں اپنا معبود سمجھنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ بہرحال عدالت میں مقدمہ پیش ہوا

اور عدالت نے اُس کا بیان سُن کر اُسے موت کی سزا کا حکم سُنا دیا۔
ایک ماہ تک اُسے قید خانے میں رکھا گیا۔ وہ اگر چاہتا تو قید خانے
سے بھاگ سکتا تھا لیکن اس نے اپنے دوستوں کی درخواست
مسترد کر دی اور وہیں رہا کیونکہ وہ "قانون کے خلاف چلنا نہیں
چاہتا تھا۔ ایک دن داروغۂ جیل آیا اور اس نے زہر کا پیالہ پیش
کیا، سقراط نے بخوشی وہ پیالہ پی لیا۔

پُرانے زمانے کے لوگ خدا کا تصور انسانی صورت میں کرتے
تھے اور وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ خدا بھی انسانوں جیسا ہی ہوتا
ہے البتہ وہ ہم سے زیادہ طاقتور ہے۔ وُہ لوگ دیوتاؤں
کو خدا مانتے تھے اور ان میں تمام انسانی عادتیں ثابت کرتے
تھے مثلاً شراب پینا، فریب دینا، ہوس اور دھوکا یہ سب
باتیں ان میں ثابت کرتے تھے۔ سقراط کہتا تھا کہ خدا ان
چیزوں سے پاک ہے اور ایسے دیوتا خدا نہیں ہو سکتے۔

بچّو! اسلام نے خدا کا صحیح تصور پیش کیا اور
لوگوں کو بتایا کہ خُدا شہوتوں سے پاک ہے وُہ ایک
ہے اُس کا کوئی ساجھی ساتھی نہیں اُس جیسا کوئی
نہیں۔ جو انسان ہے وُہ خدا نہیں ہو سکتا خواہ اسے

دیوتا بنا دو یا اوتار یا جو چاہے بنا دو، انسان تو انسان ہی ہے نہ خالق مخلوق ہو سکتا ہے نہ مخلوق خالق۔ اسی قسم کے خیالات سقراط کے بھی تھے مگر اس زمانے کے لوگ نہ سمجھ سکے اور اس کے دشمن ہو گئے ۞

کالی داس

یہ سنسکرت زبان کا بڑا بھاری شاعر تھا۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ وہ ریاست اجین صوبہ مالوہ میں پیدا ہُوا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ جزیرہ سیلون (لنکا) میں پیدا ہُوا اس کی پیدائش کے بارے میں بھی اختلاف ہے کوئی کہتا ہے کہ وہ ۵۷ قبل مسیح میں پیدا ہُوا اور کوئی اس کی پیدائش ۴۴ء بتاتا ہے۔

اس دور میں راجہ وکرم آدتیہ اجین کا بادشاہ تھا۔ اُس نے اُس پر بڑی عنایت کی۔ کالی داس نے اس راجہ کی بہت تعریف کی ہے، یہ ذات کا برہمن تھا۔

راجہ شردانندن کی ایک بڑی ہونہار بیٹی ودیا دتی تھی وہ بڑی پڑھی لکھی عورت تھی اور ہر قسم کے علوم سے واقف تھی۔ راجہ نے

نہ معلوم کیوں اس لڑکی کی شادی کالی داس سے کر دی تھی
کالی داس اُس زمانے میں کچھ پڑھا لکھا نہ تھا۔ ودیا وتی کی
قسمت پھوٹ گئی۔ جب دُولہا دُلہن کے سامنے آیا تو اُس
نے بڑی ذلّت سے اُسے باہر نکلوا دیا اور کہا تم جیسے جاہل
کے ساتھ میرا نباہ نہیں ہو سکتا، جاؤ کچھ پڑھ لکھ کر آؤ۔ دُلہن
کی یہ بات اس کے تیر کی طرح لگی وُہ چپ چاپ محل سے
باہر نکل گیا اور شہر شہر علم حاصل کرتا پھرا۔ جب سب علم پڑھ
لکھ گیا اور سنسکرت کا فاضل بن گیا تو واپس آیا اس کے علم کی
شہرت ودیا وتی تک پہنچ چکی تھی، دیکھتے ہی دوڑی اور اس
کے قدموں پر سر رکھ کر قصور کی معافی کی طالب ہوئی اور کہا
میری خطا معاف کر دو، جس دن سے تم گئے ہو ایک دن
بھی آرام کی نیند نہیں سوئی، برابر تمہاری یاد ستاتی رہی مگر سچ
بتاؤ اگر میں ایسا نہ کرتی تو یہ شہرت، عزّت اور علم تمہیں کیسے
ملتا۔

کالی داس نے بڑے اچھے ڈرامے لکھے ہیں جو آج
تک دُنیا میں مشہور ہیں۔ ان کا ایک ڈرامہ شکنتلا ہے جو بڑا
اچھا ڈرامہ ہے۔ انگریزوں اور جرمنوں نے بھی اس کی تعریف

کی ہے۔ ہندوستان اور ایران کے لوگ تو اس کے بہت ہی مداح ہیں۔

جس زمانے میں تھیٹر کا رواج تھا تو یہ ڈرامہ اُردو میں کھیلا گیا۔ اس ڈرامہ میں شوہر سے سچی وفاداری دکھائی گئی ہے اور بھی بہت سی قابلِ تقلید مثالیں ہیں، سب لوگ اس ڈرامے کو پسند کرتے ہیں اور اِس کی تعریف کرتے ہیں۔

کالی داس کا دوسرا ڈرامہ وکرم اروسی ہے، اس کو عزیز مرزا صاحب دہلوی نے اُردو میں سنسکرت سے ترجمہ کیا یہ شکنتلا سے دوسرے نمبر پر ہے اور یہ بھی خوب ہے اس کو پڑھ کر بھی بہت لطف آتا ہے۔

وکرم ایک راجہ تھا وُہ اروسی سے محبت کرتا تھا اور اس کی جدائی میں بے چین رہتا تھا، اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا وہ ہر اچھی چیز کو اروسی سمجھتا تھا۔ ایک پھولوں سے خالی بیل کو دیکھ کر اُسے اُروسی کا خیال آگیا اور وہ کہنے لگا۔

یہ بیل جو بارش کے پانی سے بھیگی ہوئی ہے اس نازک بدن کی طرح ہے جس کا نچلا ہونٹ آنسوؤں سے بھیگا ہوا ہو۔ پھولوں کا موسم ختم ہونے پر جس طرح یہ بیل پھولوں سے خالی ہے ایسے

ہی مجھ سے دُور رہ کر اروسی بھی گھنٹوں سے خالی ہے۔ پھولوں
کے نہ ہونے کی وجہ سے مکھیوں نے بیل پر بھنبھنانا چھوڑ دیا ہے
اسی طرح مجھ سے علیٰحدہ ہو کر اروسی بھی فکر میں ڈوبی ہوئی ہے اور
چُپ ہے۔ مجھے تو یہی خیال آتا ہے کہ یہ وہی نازک اندام ہے
جو جلد خفا ہو گئی ہے اور اب اپنے کئے پر افسوس کر رہی ہے اور
اپنے قدموں پر گر گئی ہے۔

اتفاقاً اسی وقت خوش قسمتی سے اُسے ایک ہیرا مل گیا جس کی
تاثیر یہ تھی کہ وہ دو بچھڑے ہوئے دوستوں کو ملا دیتا تھا۔ اس
ہیرے کو ہاتھ میں لے کر جو نہی وہ بیل کو اروسی خیال کرتے ہوئے
بغل گیر ہُوا تو خدا کی قدرت سے وُہ بیل اروسی بن گئی۔ دونوں کے
دل محبت سے بھر آئے اور دونوں ایک دوسرے کو معاف کر کے محبت
کے مزے لوٹنے لگے ——— کالی داس نے رگھو ونش مال،
وکا گنی متزم، کمار سنبھو اور میگھ دوت ڈرامے بھی لکھے ہیں اور یہ سب
ڈرامے بڑے اچھے ہیں۔ ایک نظم موسموں پر بھی لکھی ہے جس کا نام رتو سنگھار
ہے ——— الغرض اُس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے وُہ
ہندوستان کا بڑا بھاری شاعر اور فلسفی تھا ؛

گاندھی جی

موہن داس کرم چند گاندھی موجودہ ہند کے سب سے بڑے رہنما مانے جاتے ہیں۔ وہ پور بندر (کاٹھیاواڑ گجرات) میں ۲ اکتوبر ۱۸۶۹ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا اور باپ رانا صاحب پوربندر کے دیوان تھے۔ اس کے بعد ان کے باپ راجکوٹ میں ریاست کے دیوان ہو گئے تھے۔ وہ ہندو مذہب کے بہت پابند تھے۔ انھیں بھاگوت گیتا زبانی یاد تھی۔ ان کی والدہ بھی بہت مذہبی عورت تھیں۔ روزے رکھنا اور خیرات کرنا یہ ان کی عادت تھی۔

گاندھی جی نے دسویں کلاس تک انگریزی تعلیم حاصل کی اس کے بعد وہ بیرسٹری کا امتحان دینے کے لئے انگلستان چلے گئے وہاں سے واپسی پر انھوں نے بمبئی میں وکالت شروع

کردی، بمبئی سے وہ مشرقی افریقہ چلے گئے وہاں انھوں نے
مسلمان سوداگروں کا کام لیا اور زیادہ تر مقدموں کا تصفیہ کراتے
رہے۔ پھر وہاں قومی اور نسلی سوال پیدا ہوگیا لہٰذا انھوں نے
وہاں اپنے حقوق منوانے کے لئے ہندو اور مسلمان دونوں فریقوں
کو ملایا اور جنوبی افریقہ کے انگریز حکمرانوں کے خلاف انسانی حقوق کا
مطالبہ کیا وُہ پندرہ سال تک وہاں کے سیاسی حالات میں حصّہ لیتے
رہے پھر ہندوستان چلے آئے، یہاں وُہ ہند کی آزادی کے لئے
کوشش کرنے لگے مگر انگریز آزادی دینے کے لئے تیار نہ تھے
جب تک کہ ہندوستان کی تمام قومیں متحدہ مطالبہ نہ کریں اس لئے
انھوں نے مسلمانوں کو بھی ساتھ ملانے کے لئے جدوجہد کی اور مولانا
محمّد علی کو اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گئے۔

مولانا محمّد علی نے گاندھی جی اور کانگریس کے دیگر ہندو لیڈروں
کو قریب سے دیکھا تو معلوم ہوُا کہ یہ لوگ اس امر کے خواہاں ہیں کہ
ہندوستان آزاد ہوجائے تو ہم ہندو راج قائم کریں کیونکہ مسلمان
صرف ایک چوتھائی ہیں، یہ بات دیکھ کر مولانا محمّد علی اور دُوسرے
سمجھدار مسلم کارکن کانگریس سے علیحدہ ہوگئے اور انھوں نے مسلم لیگ
کو مضبوط کرنا شروع کردیا۔

اب مسلمانوں نے انگریزی حکومت سے یہ مطالبہ کیا کہ جہاں جہاں مسلمانوں کی زیادہ آبادی ہے وہاں ایک مسلم اسٹیٹ بنادی جائے گاندھی جی اس بات پر بگڑ گئے اور کھلم کھلا قائداعظم اور دوسرے مسلم لیڈروں کو بُرا کہنے لگے اور ان پر غلط الزامات لگانے لگے۔

ہندو مسلمانوں سے اس مطالبے پر سخت ناراض ہو گئے اور ہر جگہ مار دھاڑ کا بازار گرم کر دیا۔

گاندھی جی کے بہت سے چیلے مسلمانوں کے دشمن ہو گئے اور انھوں نے پاکستان بننے سے پہلے پہلے کوئی دس لاکھ مسلمان مار ڈالے۔ انگریزوں کا تو کچھ بگاڑ نہ سکے مگر مسلم اقلیت کو ہر جگہ پیٹنے لگے۔

گاندھی جی نے ہندوؤں سے کہا تھا کہ اوّل تو پاکستان بننے نہیں دیا جائے گا اور اگر بن بھی گیا تو جلد ہی اسے ہندوستان سے ملا دیا جائے گا مگر ۱۹۴۸ء تک چھ سات ماہ پاکستان کو بنے ہوئے گزر گئے تھے اور وہ مسلمانوں کے قتل کرنے کی مذمت بھی کرتے تھے تو ہندو قوم کے ایک منچلے نے جبکہ وہ اس بارے میں تقریر کر رہے تھے جسے وہ نماز یا پرارتھنا کہتے تھے انھیں گولیوں کا نشانہ بنا دیا اور وہ مر گئے۔

اسحاق نیوٹن

وہ ۱۶۴۲ء میں انگلستان میں پیدا ہوا اور ۱۹۲۷ء میں مر گیا۔ اس نے اپنی محنت اور فکر سے ایسی باتیں نکالیں جن سے اُس کا نام سدا سائنس داں تعظیم کے ساتھ لیتے رہیں گے۔ اس کے بتلائے ہوئے قاعدے طبیعی علوم کے جاننے والوں کے لئے بہت کار آمد ثابت ہوئے۔

وہ ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ ایک غریب آدمی تھا وہ بچپن ہی سے بہت ذہین تھا وہ بچپن ہی میں پتنگ، گھڑیاں اور ہوا کا رُخ بتانے والا گڈا بنایا کرتا تھا اور ان میں کوئی نہ کوئی عجیب بات رکھا کرتا تھا۔ بعد ازاں اُس نے کام کی چیزیں بنانی شروع کر دیں۔

جب وہ کیمبرج یونیورسٹی میں پڑھنے کے لئے داخل ہوا تو اس

نے علم ریاضی میں بڑا نام پیدا کیا وہاں کے پروفیسر اس کی قابلیت دیکھ کر حیران رہ گئے۔

ستائیس سال کی عمر میں وہ پروفیسر بنا دیا گیا اور ملکہ این نے اسے نائٹ کا خطاب دیا اور اب وہ سر اسحاق نیوٹن کے نام سے مشہور ہے۔ اُس نے بے جوڑ ہندسوں کے ملانے کا طریقہ ایجاد کیا مساوات کے قاعدے کو ترقی دی اور بھی بہت سے قاعدے بنائے اور بہت سے قواعد میں اضافہ کیا۔

اُس نے ایک قاعدہ اس قسم کا دریافت کیا جس کی رو سے ستاروں میں چاند کی جگہ قائم ہو گئی اور اب یہ بات معلوم کرنی آسان ہو گئی کہ فلاں تاریخ کو چاند کہاں نکلے گا۔ اس سے جہاز رانی میں بہت مدد ملی۔ سمندر کی موجوں کے پھیلنے کا حساب بھی اُس نے معلوم کیا اور پانی کے دیگر حسابات کو بھی اس نے ترقی دی۔ آنکھ کے بارے میں اُس نے بڑے غور اور تجربے کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ آسمان کی دھنک کمان سفید روشنی کے بٹ جانے پر بہت سے رنگوں میں بدل جاتی ہے۔ سرخ رنگ کم بدلتا ہے اور بنفشی رنگ جلد بدل جاتا ہے۔

مشین کے ذریعہ سے چیزیں بنانے میں تو اُس نے کمال

ہی کر دیا تھا اور زمین کی کشش معلوم کرنے میں تو اس کا نام تمام دُنیا میں مشہور ہے کہ لوگ اِسی سے اِس کو جانتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک دن وہ ایک باغیچہ میں گھاس پر لیٹا ہُوا تھا کہ یکایک اس کی توجہ سیب کے درخت سے ایک سیب کے گرنے کی طرف گئی اور وُہ یہ سوچنے لگا کہ یہ سیب زمین پر کیوں گرا تو اُس نے یہ نتیجہ نکالا کہ زمین ہر چیز کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اس نے کہا کہ سیب ہی زمین کی کشش سے نیچے نہیں گرا بلکہ زمین اور دوسرے ستارے سب سُورج کے گرد گھومتے ہیں۔ اُس کے اس نظریے کی بنا پر بہت ہی کار آمد باتیں نکل آئیں علم نجوم کو تو بہت ہی ترقی ہوئی اور آئندہ ہونے والی چیزوں کا بھی حال کھلنے لگا۔

اگرچہ وہ بہت بڑا سائنس داں تھا لیکن وہ کہا کرتا تھا میری مثال ایسی ہے جیسے کوئی بچہ سمندر کے کنارے بیٹھا ہُوا سیپیاں نکالتا ہے اور موتیوں تک اُس کا ہاتھ نہ پہونچا ہو، چنانچہ یہ بات کتنی سچی ہے۔ اس ایٹمی دور میں کیسی کیسی عجیب عجیب باتیں دریافت ہوئی ہیں۔ پھر بھی عجائبات عالم کی کوئی انتہا نہیں ہے ؎

کولمبس

کولمبس بہت بڑا آدمی تھا۔ اس کے بچپن کے حالات کا تو
پتہ نہیں چلتا، البتہ یہ سب جانتے ہیں کہ وہ اٹلی کے ایک مشہور
شہر جینوا میں پیدا ہوا تھا۔ پیویا میں اس نے تعلیم پائی مگر وہ چودہ
برس کی عمر میں لکھنا پڑھنا چھوڑ کر بحری زندگی میں پڑ گیا اور اس
نے اقلیدس، نجوم و جغرافیہ سیکھا اور سمندری سفر کا تجربہ کیا۔
رفتہ رفتہ وہ اپنے زمانے کا بڑا تجربہ کار جہاز ران بن گیا اور
آخر کار اس نے نئی دنیا کا پتہ لگا لیا۔

سینیکا یونان کا ایک شاعر تھا جس نے ۶۵ء میں کچھ شعر
کہے تھے ان میں اس نے ملک امریکہ کے پتہ لگانے کی پیشین گوئی
کی تھی۔ ان شعروں کا مطلب یہ ہے کہ کچھ عرصہ گزرنے کے
بعد ایک زمانہ آئے گا جب سمندر کے چھپے ہوئے بھید کھل

جائیں گے اور ایک بڑی زمین آنکھوں کے سامنے آجائے گی اور ایک جہازران نئی دنیا دریافت کرے گا۔

کولمبس ان شعروں کو بار بار شوق سے پڑھا کرتا تھا۔ اُس کے بیٹے کرسٹافر نے سینیکا کے ان اشعار کے حاشیہ پہ لکھا ہے کہ یہ پیشین گوئی میرے باپ نے ۱۴۹۲ء میں پوری کی۔

یہ بات تو بہت پُرانی ہے کہ زمین گول ہے مگر یہ کولمبس ہی تھا جس نے عملی طور پر سفر کر کے ثابت کر دیا کہ زمین گول ہے۔ اس نے اٹھارہ برس تک متواتر کوشش کی کہ اسے تین جہازوں کا بیڑہ مل جائے۔ اُس نے پچھم کے بڑے سمندر کو پار کیا اور نئی دُنیا کا پتہ لگا لیا۔ وہ ہندوستان کا پچھمی راستہ جاننا چاہتا تھا مگر وُہ اس تلاش میں امریکہ کے جزائر میں پہونچ گیا۔ مرتے وقت تک اُسے یہ نہ معلوم ہُوا کہ یہ ہندوستان ہے یا غرب الہند کے جزیرے۔ اسی لئے وہ وہاں کے باشندوں کو سُرخ ہندوستانی کہا کرتا تھا۔

اُس نے روپیہ کے لالچ میں بڑی تکلیفیں اُٹھائیں۔ اس لالچ میں وہ نہ ایمان دار رہا نہ رحم دل۔ اُس نے جزیرے کے رہنے والوں کو قتل کیا اور اپنے ماتحتوں اور اپنے سے بڑے لوگوں کی نگاہوں میں مجرم ٹھیرا۔

اُس نے اپنے خیالات سفر کے دو روزنامچے مرتب کئے تھے جن میں سے ایک تو غلط تھا تا کہ اس کے ساتھی صحیح طور پر یہ اندازہ نہ کر سکیں کہ وہ اپنے وطن سے کتنی دُور آ گئے ہیں۔ اگر وہ اپنے ساتھیوں کے رونے پیٹنے کی پرواہ کرتا تو راستہ ہی میں سے اسپین واپس آ جاتا جس کی ملکہ نے اُسے جہازی بیڑہ تیار کر کے دیا تھا۔

غرض وہ اپنی دُھن کا پکا تھا۔ اُس نے دُنیا کی یہ بڑی بھاری خدمت کی ہے کہ امریکہ کا پتہ لگا لیا مگر اس راہ میں بہت سے دھوکے اور جُرم کئے۔

اگر دو تین سو برس تک امریکہ دریافت نہ ہوتا تو یورپ کے غریب اور مصیبت کے مارے جن پر آزادی، حوصلہ مندی اور کام کے راستے بند تھے ہرگز چھٹکارا نہ پا سکتے اور یورپ سے بھاگ کر امریکہ میں آباد نہ ہوتے۔ وہ انگریزی آبادی جو آج کل امریکی کہلاتے ہیں ہرگز نہ ہوتی اور ممکن ہے کہ فرانس میں انقلاب ہی نہ آتا یا اُس کی شکل کچھ اور ہی ہوتی۔

اسی دریافت نے پرتگیزیوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ افریقہ کے گرد گھوم کر ہندوستان کا دوسرا راستہ معلوم کریں چنانچہ وہ بھی اس میں کامیاب ہو گئے۔

نپولین

نپولین بونا پارٹ کارسیکا میں پیدا ہُوا یہ ایک جزیرہ ہے جو فرانس کے قبضے میں ہے۔ اس کا باپ ایک وکیل تھا۔ اس نے اس کو اچھی تعلیم دلائی۔ اس کی ماں بہت عقلمند عورت تھی۔ اس نے اس کی تربیت کی۔ نپولین اپنی بزرگی و برتری کو اپنی ماں کی طرف منسوب کرتا ہے۔ وُہ کہا کرتا تھا مجھے میری ماں کی تربیت نے بہادر اور بڑا آدمی بنایا۔

اس کا قد چھوٹا تھا اِس لیئے وُہ فوج کے قابل نہ تھا۔ مگر اس نے فوجی تعلیم حاصل کر لی تھی۔ اوّل اوّل تو اُسے فوج میں لینے سے انکار کر دیا تھا۔ مگر فرانس میں لوگ شہنشاہ کے خلاف بغاوت کر رہے تھے اور فرانس کا مشہور انقلاب برپا تھا لہٰذا امن وامان قائم کرنے کے لیئے فوج کی تعداد میں اضافہ کیا گیا۔ اس دوران میں

نپولین بھی افسر فوج بن گیا۔

وہ نہایت ہوشیار، بہادر اور حوصلہ مند تھا۔ بیس برس کی عمر میں وُہ معمولی افسر فوج تھا لیکن اس نے اپنی جوانمردی، ہوشیاری اور قابلیت سے آٹھ نو سال میں تمام فوجی عہدے حاصل کر لئے اور وُہ جنرل بونا پارٹ ہو گیا۔

جب ۱۷۹۹ء میں فرانس کا دستور مرتب کیا گیا تو اسے کونسل اوّل مقرر کیا گیا۔ اس کا درجہ فرانس کی حکومت میں ایسا ہی تھا جیسا کہ جمہوری سلطنت میں صدر کا ہوتا ہے لیکن رفتہ رفتہ نپولین نے تمام اختیارات حاصل کر لئے کچھ دنوں کے بعد وہ شہنشاہ بن گیا اور تمام یورپ پر اس کی دھاک بیٹھ گئی۔

انگریز اس کے مخالف ہو گئے تھے کیونکہ جہاں کہیں انگریز اپنی نوآبادیاں قائم کرتے فرانسیسی بھی وہاں پہونچ جاتے اور ان سے لڑنے لگتے۔ اٹلی، جرمنی، آسٹریلیا سے بھی فرانس کی لڑائیاں ہوئیں، اور ان کو نپولین نے شکستیں دیں۔ اسپین میں اُس نے اپنے بھائی کو بادشاہ مقرر کیا غرض تمام یورپ کو نیچا دکھا دیا اور فرانس کا بول بالا کر دیا۔

اُس نے اپنے ملک کی بہت کچھ اصلاح کی اور بہت سی خرابیاں

کو دُور کر دیا۔ بچّوں کی تعلیم و تربیت کا بہترین انتظام کیا۔ سرکاری خزانے کی حالت درست کی۔ فرانسیسی بینک قائم کیا جو سرکاری بینک تھا۔ فوجی اصلاح کی۔ علوم کی سرپرستی کی، سائنس کو ترقی دی۔ کارخانے قائم کئے، سڑکیں اور عمارتیں بنوائیں، پیرس کو خوب آراستہ کیا اور انقلابی خیالات پھیلا دیے، تمام لوگوں میں انصاف اور برابری کے خیالات پیدا کئے۔ غرض جس کام کو چھیڑا اسے پورا کر کے چھوڑا۔

وہ کہا کرتا تھا ناممکن کوئی چیز نہیں ہے اسے لغات کی کتابوں سے نکال دینا چاہیئے۔ واقعی وہ جو چاہتا تھا پورا کر کے دکھاتا تھا البتہ اس سے ایک غلطی ایسی ہوئی جس سے وہ اپنی ہردل عزیزی کو کھو بیٹھا اور اُسے زوال ہو گیا۔

اُس نے روس سے ایسے موسم میں جنگ شروع کر دی جبکہ سخت سردی کا موسم آنے والا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ پورے روس کو بیس دن میں فتح کر لے گا۔ کیونکہ اس نے کئی لاکھ فوج لے کر حملہ کیا تھا مگر روسیوں نے اس کا کہیں بھی مقابلہ نہ کیا اور پیچھے ہی ہٹتے چلے گئے۔ نپولین برابر آگے بڑھتا گیا مگر اُس کی فوج کو کھانے کو نہ ملا کیونکہ روسی جس شہر کو خالی کرتے تھے وہاں کی

پیداوار کو آگ لگا دیتے تھے اور نہ صرف فوج بلکہ شہر اور گاؤں
والے بھی بستیوں کو خالی کر کے بھاگ جاتے تھے۔ اس دوران
میں سخت برف باری شروع ہو گئی اور فرانسیسی فوج نے سردی
کی وجہ سے واپس ہونا شروع کیا اب روسی فوج پیچھا کرنے لگی فرانسیسی
فوج کے پاس گرم کپڑے نہ تھے نہ ان کے لئے کوئی پناہ گاہ تھی
کیونکہ روسیوں نے چھوڑنے سے پہلے ہی بستیوں کو آگ لگا دی
تھی الغرض اس کی فوج کو غذا کے نہ ملنے اور سردی کے بچاؤ کے
نہ ہونے کی وجہ سے شکست کھانی پڑی۔ ہزاروں سپاہی سردی
اور برف باری سے مر گئے۔ فوج منتشر ہو گئی اور بہت کم سپاہی
واپس لوٹ سکے۔ فرانس میں اس بات کا شور مچ گیا اور اب
اس کی ہر دل عزیزی ویسی نہ رہی تھی جو پہلے تھی بڑے بڑے
تجربہ کار لوگ مر گئے اور جو نئی فوج بھرتی کی گئی وہ کام کی نہ
تھی۔ لہٰذا ادھر سے انگریزی فوج بھی سمندر پار کر کے یورپ
میں داخل ہو گئی اور جرمنی کی فوج بھی آ ملی اور سب نے مل
کر نپولین کو شکست دے دی اسے گرفتار کر لیا گیا اور جلا وطن
کر کے سینٹ ہلینا میں بھیج دیا گیا جہاں وہ مر گیا۔

بہرحال وہ اپنے ارادے کا پکا تھا اس نے اپنی قوم کے

لیے جو کچھ کیا اچھا ہی کیا تھا۔ اس کی برابر جنگجو آج تک کوئی نہیں
ہوا البتہ ہٹلر فتوحات میں اس سے بڑھ گیا تھا مگر وہ بہت
جلد غائب ہو گیا ؎